لوح و قلم

میں اپنی قوم کی تقدیر ہوں — بھٹو

صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ کیجئے

قیمت ۵ روپے

دفتر رابطہ الفتح مطبوعات کراچی

قارئین لکھتے ہیں

تم کونسے نظام مصطفیٰ کی بات کر رہے ہو؟

آج بھٹو کو اسلام کی رو سے پھانسی دینا چاہتے ہیں نظام مصطفیٰ کے مطابق۔ اسے کبھی نظام مصطفیٰ کا مطالعہ کیا ہے یا صرف ووٹ کی خاطر اسلام اسلام کہتے ہو۔ اسلام میں شک کی بنیاد پر ملزم کو بری کیا جا سکتا ہے اسلام میں وعدہ معاف گواہ کا کوئی تصور نہیں اسلام میں پھانسی صرف اسکو ملتی ہے جس نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہو۔

اب نظام مصطفیٰ پر آجایئے ایک دفعہ ایک جنگ کے اختتام پر کافر قیدیوں کو جب فیصلہ سنانے حضورؐ تشریف لائے تو ایک صحابی نے نعرہ لگایا آج بدلہ لینے کا دن ہے آج کافروں کو موت دی جائے گی حضورؐ نے یہ سنا تو اس صحابی کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کو دیا اور کہا کہو آج رحم کا دن ہے آج سب کو بخش دیا جائے گا۔ یہ ہے نظام مصطفیٰ تم کس کی بات کرتے ہو۔ اسلام میں ہر کسی کو اپنی صفائی پیش کرنے کی اجازت ہے تم جھوٹے الزامات لگاتے ہو بھٹو کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ وائٹ پیپر شائع کراتے ہو مگر بھٹو نے اس کے جواب میں وائٹ پیپر لکھا تو اس کے چھاپنے پر پابندی لگا دی مظلوموں پر ظلم کرنا چھوڑ دو۔ عوام تمہارے جھوٹ سے واقف ہیں تم پریس کی آزادی کے نعرے لگاتے تھے یہ پریس کی آزادی ہے پریس کو سیل کرنا کیا پریس کی آزادی ہے۔ تم ۱۹۷۰ء کی قیمتیں واپس لا رہے تھے مگر ۱۹۸۱ء کی قیمتیں لے آئے تمہارے سارے دعوے جھوٹے ہیں تم عوام اور خدا کی نگاہ میں گنہگار ہو چکے ہو کرسی کو چھوڑ کر خدا کی عبادت کرو شاید ہی خدا تمہیں معاف کرے۔

(قمر کراچی)

سزا منسوخ کی جائے

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی سربراہوں کی کانفرنس بلائی اس سے قبل کسی سربراہی کانفرنس اتنے سربراہان مملکت اور حکومت شریک نہیں ہوئے تھے جناب بھٹو نے اسلامی ممالک کے اتحاد کے لئے بنیاد فراہم کی جنگ رمضان میں عرب ممالک خصوصاً شام کی بھرپور امداد کی اور بھٹو حکومت نے ہی تنظیم آزادی فلسطین کو فلسطینی عوام کی واحد نمائندہ حیثیت سے تسلیم کیا انکی خدمات کے پیش نظر میں جنرل ضیاء سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان کی سزائے موت منسوخ کر دیں۔

(عبدالمجید شاد احمد پور شرقیہ)

انسانیت کا احترام کیجئے

اس وقت وطن سے دور معمولی مزدوری کر رہا ہوں ہمارے ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم جیسے لاکھوں لوگ وطن عزیز کے لئے بے چینی و اضطراب کی کیفیت میں مبتلا ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک کی سیاسی بے چینی ختم ہو، اقتصادی حالت بہتر ہو اور ہمارے سیاستدان ہر قسم کی ذاتی رنجشیں ختم کر کے ملک کو مستحکم کریں کسی سیاسی پارٹی سے میری وابستگی نہیں رہی البتہ جس کسی نے بھی ملک کے لئے اچھی خدمت کی اس کے لئے دل سے دعائیں کیں۔ اس کے علاوہ ہم اور کیا کر سکتے ہیں۔ معاشرے میں آج تک ہمیں کوئی مقام نہیں ملا۔

بہرکیف اس سلسلے میں مجھ ناچیز کی بھی کچھ جذبات ہیں وہ یہ کہ جب سے جناب بھٹو کی اپیل پر نظر ثانی ہو رہی ہے سرکاری ذرائع ابلاغ تاثر دے رہے ہیں کہ پھانسی دے دی جائے گی۔ ساری انرجی ساری طاقت ریڈیو اور اخبار ہر طریقے سے اسی ایک مسئلے پر سارا زور ہے اور دیگر تمام مسائل یکسر نظرانداز کر دیئے گئے ہیں ایسا نہیں ہونا چاہیئے ہمیں جناب بھٹو سے بہت ساری شکایات ہیں بے شک انہوں نے بہت ساری غلطیاں کی ہونگی مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں نکلتا کہ انہیں پھانسی دے دی جائے ہمیں ان کے مقدمے کے ہر باریک سے باریک پہلو پر غور کرنی ہوگی سب سے پہلے بذریعہ تحقیقات کو بھی ایک طرح ایک نظر ڈال لیں تو کیا حرج ہے ذاتی اعتراض ایک طرف رکھکر کھلے دل سے جناب بھٹو کے ساتھ انصاف کیا جائے اسی میں ہماری عزت ہے ساری دنیا کے معززین و اکابرین حکومت سب سے بڑھکر انسانیت کا احترام رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے اور کچھ نرمی کی جائے جناب ضیاءالحق سے اپیل ہے براہ کرم اس نیک مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کمال دانشمندی سے کام لیا جائے سب کو اکھٹے کریں اتحاد و اتفاق میں جو برکت ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے اور جہاں تک ہو سکے عفو و درگذر کی کوشش کریں۔

(محمد لال الریاض سعودی عربیہ)

ملاقاتوں پر پابندی

سینٹرل جیل سکھر، اسپتال جیل سکھر سنٹرل جیل خیرپور کے لئے صرف ایک ڈاکٹر ہے اور تینوں جیلوں میں کوئی کمپاونڈر نہیں اس پر ستم یہ کہ دوائیں نہیں حکام کہتے ہیں کہ بجٹ ختم ہو چکا ہے اس کے علاوہ نظر بندوں کی ملاقات بند ہے جیل حکام کا کہنا ہے کہ ڈی ایم ایل اے نے حکم دیا کہ ان کی اجازت کے بغیر ملاقات نہیں کرائی جائے جبکہ جیل مینول کے مطابق ۱۵ دن میں ایک ملاقات کی اجازت ہے اس سلسلے میں ہائیکورٹ اور ہوم سیکرٹری کے احکامات کو بھی قبول نہیں کیا گیا ہے

(عبدالرزاق سومرو سنٹرل جیل سکھر)

فرقہ وارانہ سیاست

آپ کے ۴ ۲ فروری کے شمارے میں ایک خط پڑھنے کا اتفاق ہوا جو کورنگی سے جناب شاہد احمد نے "صرف بھٹو ازم کیوں" کے عنوان سے تحریر تھا۔ موصوف کے خط سے نہ صرف سیاسی بلکہ فرقہ پرستی کی خلش بھی مترشح ہے بھٹو ازم سے اکثر ایسے قماش کے عناصر کو اختلاج قلب ہونے لگتا ہے حالانکہ تشویش کی ایسی کوئی بات نہیں بھٹو ازم دراصل طبقاتی کشمکش کے فطری عمل کا نام ہے گویا مدتوں سے کچلے ہوئے عوام کو اپنی نجات کا ایک راز مل گیا ہے اور مساوی بنیادوں پر سوشل معاشرے کے قیام کا پیغام ہے اس میں شبہ نہیں کہ بہ وقت ملکی سیاست پر مذہبی ریاکاری کا ملمع چڑھ رہا ہے مگر جلد ہی مذہبی تقدس کا یہ خول ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ اور عوام انسانی احتیاجات کے فطری تقاضوں کی صدا بلند کریں گے۔

موصوف دراصل علامہ نصیرالاجتہادی کے بیان کی اشاعت پر پیچ و تاب کھا رہے ہیں، فرقہ پرستی کے تعصب میں آداب تحریر کو بھی ملحوظ نہیں رکھا اور فقہ جعفریہ سے متوحش نظر آتے ہیں حالانکہ امام ابوحنیفہؒ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے اور انہیں اس سعادت پر فخر تھا کہ انہوں نے زانوئے تلمذ آل نبیؐ اولاد علیؑ کے سامنے خم کیا۔ رہا شیعہ آبادی کا تعلق تو حضور ہاتھ کنگن کو آرسی کیا جب جی میں آئے فرقوں میں مردم شماری کروا دیکھئے گو ہماری نظر میں اکثریت کوئی معنی نہیں رکھتی اور سب مسلمان برابر ہیں تاہم آبادی کو اگر شیعہ سنی وہابی اور دیگر فرقوں میں تقسیم کیا جائے تو اہل تشیع یقیناً اس اعتبار سے اکثریت میں ہیں موصوف شاید ابھی تک یہ نہیں سمجھ پائے کہ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں ذوالفقار علی بھٹو کی کامیابی کا کیا راز تھا شیعہ دراصل فرقہ پرستی کے رجحانات کو کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے انہوں نے ایک ایسی جماعت یعنی پاکستان پیپلز پارٹی کا ساتھ دیا جو فرقہ وارانہ عناد سے بالاتر ہے اور تمام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو ملحوظ رکھتی ہے بہرکیف جب عقائد سیاسی زد میں آتے ہیں تو آواز بلند کرنی پڑتی ہے اگر دیوبندی مکتبۂ فکر یعنی جمعیت علمائے اسلام کی قیادت مفتی صاحب کر سکتے ہیں بریلوی مکتبۂ فکر کے لئے مولانا شاہ احمد نورانی موجود ہیں اور وہابی عقائد کی پیروی کے لئے مودودی صاحب ہیں تو علامہ نصیرالاجتہادی فقہ جعفریہ کے پیروکاروں کی قیادت و سیادت کیوں نہیں کر سکتے، اگر مفتی محمود، شاہ احمد نورانی اور مودودی کے بیانات شائع ہو سکتے ہیں ریڈیو ٹیلیویژن اور دیگر ذرائع ابلاغ عامہ ان کے تصرف میں لائے جا سکتے ہیں تو علامہ نصیرالاجتہادی کا بیان شائع ہونے سے شاہد صاحب کو کیا تکلیف ہوئی کیا ان کے خط سے فرقہ وارانہ بغض و عناد کی غمازی نہیں ہوتی ہماری نظر میں تو اسلام کے سب فرقے بنیادی طور پر مسلمان ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کے فروعی عقائد کا احترام کرنا چاہیئے کیونکہ آخر سب آپس میں دینی بھائی ہیں دور کیوں جایئے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح شیعہ تھے مگر ان کی قیادت پر سنی شیعہ دونوں فرقوں نے مکمل اعتماد کیا اور شانہ بشانہ ملکر پاکستان بنایا۔ مخالفت صرف وہابی عقائد کے کانگریسی ملاؤں نے کی تھی اور آج بھی کر رہے ہیں شیعہ سنی دونوں فرقے تو اسلام کے دست و بازو ہیں پھر یہ مخاصمت کیسی دراصل مسلمانوں کی تباہی کی وجہ ہی یہ فرقہ پرستی کا بھوت ہے

(ابوالتقدلیسی نیو دسن پورہ لاہور)

ماہنامہ

لوح و قلم

چیف ایڈیٹر: بختیار ملک

دفتر رابطہ

الفتح

مطبوعات

۶۹-ڈی ۵- زسری کمرشل ایریا پی-ای-سی-ایچ-ایس کراچی ۲۹ — ٹیلیفون نمبر: ۴۳۲۲۷۴

مدیر اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا شبیہہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

تزئین
عبدالرحمن

مارچ
ضمیمہ

سنہ ۱۹۷۹ء

قیمت

خاص مضامین

ہم نے سینٹو چھوڑا یا سینٹو نے ہمیں — منہاج برنا — ۵

ترہ کی کا کنٹرول نہیں تو پاکستان میں کس لئے "تشریف" لائے ہیں — ذوالفقار حیدری — ۸

قومی اتحاد نے راؤ فرمان علی خان کو موٹے کی منظوری دے دی — غینوں کی ڈائری — ۹

بھٹو اور عالمی پریس، تبصرے — ۱۱

میں اپنی قوم کی تقدیر ہوں — فاروق طارق — ۱۵

دل کی صفائی اور جبیر بھاڑ بھی میرے نظریات میں کوئی تبدیلی نہ لا سکی، میلنگ — نمائندہ خصوصی — ۱۹

جنوبی ایشیا میں امریکہ کی پالیسی — امریکی نائب وزیر خارجہ کی رپورٹ — ۲۶

ناشر: بختیار ملک، مطبع ناظر پریس کراچی

نمائندے

اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری
آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے

سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی
پنجاب ○ مقیم، لاہور ○ کاشف
سرحد ○ مقیم پشاور ○ خلیل خان خٹک
بلوچستان ○ مقیم کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

حیدرآباد ○ مددعلی بلوچ
تھرپارکر ○ محبوب احمد
سانگھڑ ○ ایاز سندھی
سکھر ○ ارشد حسین
ٹنڈوالہ یار ○ کامل ستوں،
ملتان ○ ناصر زیدی
گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز
فیصل آباد ○ طارق سعید
گجرات ○ میاں محمد شریف زاہد
میانوالی ○ روشن ملک
سرگودھا ○ الطاف چغتائی
وہاڑی ○ احسان ملک
گوادر ○ سلیمان شیروف

بیرونی ممالک

پیکنگ ○ رشید بٹ
ماسکو ○ محمد زاہد
کینیڈا ○ سعید بن سعود
لندن ○ عبدالحفیظ قریشی
یورپ ○ فاروق طارق
دوبئی ○ غلام جیلانی
کویت ○ ملک نذیر

یہ آپ کا کام نہیں

پچھلے ہفتے ملکی اخبارات میں جنرل ضیاءالحق سے کچھ باتیں منسوب کی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے یہ باتیں انہوں نے ایک امریکی جریدے "یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ" کو دیئے گئے انٹرویو میں کہی ہیں۔ ان خبروں میں تین باتوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ (۱) جنرل ضیاء تہیّہ کر چکے ہیں کہ وہ انتخابات کرا کر اقتدار شہریوں کو منتقل کریں گے (۲) آئینی ڈھانچے میں ایسی تبدیلیاں کی جائینگی کہ صدر کو یہ اختیار حاصل ہو کہ جب وہ یہ سمجھے کہ سیاسی انتشار ہے تو اسمبلیوں کو توڑ کر کچھ عرصہ کے لئے فوج کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لے (۳) قیامِ پاکستان کے مقصد کی اب تک تکمیل نہیں ہو سکی تھی اور اب اسلامی مملکت کے قیام کی طرف پیش قدمی ہو رہی ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو نہ صرف پاکستان کے عوام بلکہ دنیا بھر میں پاکستان سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے ذہن میں یہ بات تازہ ہے کہ اقتدار پر قبضے کے بعد جنرل ضیاء نے اپنی پہلی تقریر میں اعلان کیا تھا کہ اقتدار پر ان کا قبضہ صرف ۹۰ دن کے لئے ہے اور اس مدت میں انتخابات کرا کر فوج واپس بیرکوں میں چلی جائے گی۔ اس منصوبے کو انہوں نے "آپریشن فیئر پلے" کا نام دیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقتدار پر ان کے قبضے کو ایک سال ساڑھے آٹھ ماہ گزر چکے ہیں اور اس مدت میں "ترقی معکوس" یہ ہوئی ہے کہ ۹۰ دن کے اندر منعقد کئے جانے والے انتخابات کے بارے میں اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ان کے بارے میں تہیّہ کر لیا گیا ہے لیکن انعقاد کی تاریخ کے بارے میں کوئی اعلان نہیں کیا گیا ہے بلکہ اطلاعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ پچھلے وعدے کے مطابق اس سال اکتوبر میں بھی انتخابات منعقد ہونے کا امکان نہیں ہے۔

دوسری بات یعنی فوج کی سیاست میں مداخلت اور منتخب حکومتوں اور جمہوری اداروں پر برتری دینے کی تجویز ہے۔ اس سلسلے میں مفتی محمود صاحب نے بہت محتاط اور سیاسی زبان استعمال کرتے ہوئے کہا کہ فوج کا معروف کردار ملک کی سرحدوں کا دفاع ہے مولانا شاہ احمد نورانی، جناب اصغر خان اور پگارا لیگ کے سیکریٹری جنرل ایس ایم ظفر نے مختلف الفاظ میں اس تجویز کو جمہوری طرزِ زندگی اور قیامِ پاکستان کے مقاصد کے منافی قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم سمجھتے ہیں کہ زیادہ واضح الفاظ میں گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم جنرل ضیاء سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ مسلح افواج کے بارے میں ان کا تصوّر کیا ہے کیا وہ انہیں سرکاری ملازم تصوّر نہیں کرتے؟ اگر وہ سرکاری ملازم ہیں تو پھر انہیں کس اعتبار سے غیر فوجی ملازمین پر فوقیت اور برتری حاصل ہے؟ ساتھ ساتھ ہم انہیں یہ بتلا دینا چاہتے ہیں کہ نہ تو جمہوری روایات اور نہ ہی اسلامی روایات کے تحت مسلح افواج قوم اور رائے عامّہ سے بلند و برتر کوئی شے ہے۔ فوج کو سیاست میں ملوث کرنے کے بارے میں ان کے اصرار کا تو یہ مطلب ہے کہ وہ صرف طاقت ہی کو فیصلہ کن عنصر قرار دیتے ہیں۔ ملک، ملّت اور دین کی باتیں صرف زیبِ داستان کے لئے ہیں۔ اگر یہ تاثر گہرا ہوتا گیا تو ہو سکتا ہے کہ اصغر خاں صاحب کی یہ بات درست ثابت ہو کہ موجودہ حکمران اور خاص طور پر جنرل ضیاء قوم اور مسلح افواج کے درمیان دوری اور محاذ آرائی کی کیفیت پیدا کرنے کے مرتکب ہوں گے۔ ان خطرناک امکانات کے پیشِ نظر ہم پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ ان غیر ضروری مسائل کو نہ ابھارا جائے اور جنرل ضیاء اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ افواج کے کردار کا تعیّن، افواج کا نہیں بلکہ عوام کے منتخب نمائندوں کا کام ہے اور ان کا فرض ہے کہ اچھے سرکاری ملازمین کی طرح ان کے لئے مقرر کردہ فرائض کو اپنی بہترین استعداد کے مطابق ادا کریں۔ اسی میں ان کی ملک اور قوم سب کی بھلائی ہے۔

پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کے سلسلے میں ہم صرف اس قدر عرض کریں گے کہ جس وقت برصغیر کے مسلمان قیامِ پاکستان کے لئے جان کی بازی لگائے ہوئے تھے اس وقت برطانوی افواج کے ایک رکن کی حیثیت سے جنرل صاحب اور ان کے ہم پیشہ افراد کو سیاسی معاملات میں لب کشائی کی اجازت نہیں تھی اور وہ سعادت مندی کے ساتھ ان حدود و قیود کی پابندی کر رہے تھے۔ آج ان کے رفیقِ کار سیاسی گروہ، جماعتِ اسلامی، جمعیت علماء اسلام (اُس وقت جمعیت علماء ہند) پی ڈی پی (اُس وقت کی مجلسِ احرار) اور خاکسار تحریک قیامِ پاکستان کے بدترین مخالفین میں شامل تھے۔ ان لوگوں کو کوئی حق ہی نہیں پہنچتا کہ قیامِ پاکستان کے مقاصد کا تعیّن اور ان کی تشریح کریں۔ یہ کام تو انہی کا ہے جنہوں نے جان، مال اور آبرو تک کی قربانیاں دے کر اس ملک کو وجود بخشا۔

**

پُرانی سیاست گری خوار ہے

منہاج برنا

ہم نے سنٹو چھوڑا یا سنٹو نے ہمیں

امریکہ کے ساتھ دوطرفہ فوجی معاہدے ہنوز موجود ہیں

۱۲ مارچ کو پاکستان اور ایران نے سنٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن یعنی سنیٹو کے فوجی معاہدے سے علیحدہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے تین روز بعد اس معاہدے کے تیسرے علاقائی رکن ترکی نے بھی اس سے دستبرداری کا اعلان کیا اور اب اس کے سیکرٹری جنرل مسٹر کامران نے معاہدہ کے صدر دفتر سے یہ اعلان کر دیا ہے کہ اس لاش کی باضابطہ تدفین اگلے ماہ ہو جائے گی۔

حکومتِ پاکستان نے معاہدہ سے علیحدگی کا اعلان کچھ اس طرح کیا کہ جیسے اس نے کوئی بڑا انقلابی قدم اٹھایا ہو۔ اسلام آباد کے اعلان میں یہ کہا گیا ہے کہ معاہدہ پاکستان کی سلامتی کے ساتھ اپنا تعلق کھو چکا ہے" اور یہ کہ "معاہدہ اس وقت کارآمد تھا جب اس کے فوائد زیادہ تھے اور نقصانات کم"۔ حالانکہ اس کا پاکستان کی سلامتی سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ جنوب مشرقی ایشیا کے معاہدے "سیٹو" کی طرح علاقے کے ممالک کی سلامتی کے لئے وضع نہیں کیا گیا تھا بلکہ مغربی ممالک اور ان کے لیڈر امریکی سامراج کی سلامتی اور تحفظ کے لئے تشکیل دیا گیا تھا۔ ایشیا کے ممالک کو اس میں محض مغربی اور امریکی ممالک کے سیاسی جغرافیائی فوجی اور اقتصادی مفادات کے تحفظ کی خاطر استعمال کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس کے عوض ان ملکوں کو تھوڑی بہت اقتصادی اور فوجی امداد دی گئی لیکن یہ امداد بھی اس طرح دی گئی کہ پاکستان اقتصادی اور فوجی اعتبار سے کبھی اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے بلکہ ہمیشہ سامراجی ممالک کا دست نگر رہے چنانچہ اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ پاکستان میں اب بھی کوئی فولاد کا کارخانہ موجود نہیں ہے۔

سنیٹو کا معاہدہ آج سے ۲۴ سال پہلے معرض وجود میں آیا تھا اس کا اولین نام معاہدۂ بغداد تھا۔ اسے برطانیہ کی پہل پر اور بنیادی طور پر مشرق وسطیٰ میں برطانوی مفادات کے تحفظ کے لئے قائم کیا گیا تھا جس میں پاکستان، ایران، ترکی اور برطانیہ کے علاوہ عراق شامل تھا اور چونکہ اس پر دستخط بغداد میں کئے گئے تھے اس لئے یہ معاہدۂ بغداد کہلایا لیکن جولائی ۵۸ء میں عراق میں کرنل عبدالکریم کی قیادت میں جو انقلاب برپا ہوا اس میں برطانیہ کی حامی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور حکمرانوں کی لاشیں سڑکوں پر گھسیٹی گئیں۔ انقلابی حکومت نے فوراً عراق کو معاہدہ بغداد سے الگ کر لیا اور باچار باقی ماندہ ارکان نے اس کا نام بدل کر سنیٹو رکھ دیا۔ نو تشکیل شدہ تنظیم میں امریکہ بطور مبصر شامل ہو گیا کیونکہ اس وقت برطانیہ جو کبھی سب سے بڑی نو آبادیاتی طاقت تھا اور جس کی سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اب ایک ثانوی درجے کی طاقت بن چکا تھا اور امریکی سامراج مغربی ممالک کا قائد بن کر ابھر چکا تھا۔ اس لئے مبصر ہی کی حیثیت سے سہی اس معاہدہ میں امریکہ کی شمولیت لازمی تھی، بلکہ براہ راست رکن نہ ہونے کے باوجود امریکہ کو اس معاہدہ میں بھی سنیٹو اور سیٹو کی طرح کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ رکن ممالک کے فوجی اور اقتصادی تقاضوں کو کسی حد تک صرف امریکہ ہی پورا کر سکتا تھا۔

دراصل سنٹو سے ۲۴ سال کے بعد علیحدگی پاکستان کی خارجہ پالیسی کی شکست کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کے

خارجہ پالیسی کے غلط ہونے کا اعتراف ۲۴ سال بعد

مترادف ہے حالانکہ حکومت نے اس کا اعتراف اب بھی نہیں کیا ہے اور عوام کو یہ کہہ کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ معاہدہ پاکستان کی سلامتی کے ساتھ اپنا تعلق کھو چکا ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ اس معاہدہ کا پاکستان کی سلامتی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر پاکستان کے حکمرانوں میں ذرا بھی شرم و حیا ہوتی تو وہ اس سے ۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ کے دوران یا اس کے فوراً بعد ترک تعلق کر چکے ہوتے کیونکہ پاکستان پر ہندوستان کے حملہ کی صورت میں اس کی سلامتی کے تحفظ کے لئے نہ امریکہ مدد کو آیا نہ برطانیہ۔ اس کے بعد دوسرا موقع ۱۹۷۱ء میں ہاتھ آیا تھا کہ پاکستان کے حکمران اس سے علیحدگی اختیار کر لیتے۔ اس وقت ہندوستان نے نہایت دھڑلے سے مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت کی روس نے ہندوستان کی پشت پناہی کی اور ملک دولخت ہو گیا، لیکن پاکستان کا کوئی اتحادی اس کی مدد کو نہ آیا۔ ہمارے ملک میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد معاہدہ تاشقند کی بڑی مخالفت کی گئی اور اسے ایک غیر مساوی معاہدہ قرار دیا گیا لیکن اس ضمن میں ہمارے بہت سے دانشور یہ فراموش کر گئے کہ روس نے تاشقند کانفرنس امریکہ کے صدر جانسن کی مکمل تائید اور منظوری سے طلب کی تھی اور ایوب خان کو یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ اس میں ضرور شرکت کریں یہ صحیح ہے کہ تاشقند کا معاہدہ ایک طرح سے ہندوستان کے حق میں تھا جس میں کشمیر کی تقسیم کو دبے الفاظ میں تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن بہت سے وہ لوگ جو معاہدہ تاشقند پر تنقید کرتے تھے سیٹو اور سینٹو اور پاکستان اور امریکہ کے درمیان دوطرفہ فوجی معاہدوں کی غیر مساوی نوعیت اور ان کے ملک کے لئے مضرت رساں کردار کو فراموش کر دیتے تھے۔ حد یہ ہے کہ معاہدہ تاشقند کے سب سے بڑے ناقد مسٹر بھٹو نے بھی امریکہ کے ساتھ ہمارے براہ راست فوجی معاہدوں پر کبھی نکتہ چینی نہیں کی اور کی بھی تو بہت دبے الفاظ میں — پیپلز پارٹی کے ۶۸-۱۹۶۷ء کے منشور میں سیٹو اور سینٹو سے نکلنے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن امریکہ کے ساتھ پاکستان کے دوطرفہ فوجی معاہدوں کو بخش دیا گیا تھا۔ یہی صورت پیپلز پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد بھی رہی۔ سیٹو کو تو ویت نام کے عوام کی دلیرانہ جنگ آزادی نے ٹھکانے لگایا اور اس طرح حکومت پاکستان نے بھی بالآخر اس سے علیحدگی اختیار کر لی لیکن سینٹو میں پاکستان کی رکنیت کو پیپلز پارٹی کے منشور کے باوجود برقرار رکھا گیا۔ بلکہ جنوری ۱۹۷۷ء میں جو نیا انتخابی منشور منظور کیا گیا اس میں پھر سینٹو کو بخش دیا گیا۔

علیحدگی کے محرکات

سوال یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کی مارشل لاء کو آخر سینٹو سے علیحدگی کے اعلان کا شرف کیسے حاصل ہوا۔ کیا اس حکومت کو خارجہ مسائل کا کوئی ادراک ہے؟ وہ مبصرین جو اس حکومت کی ہئیت ترکیبی، تحقیقاتی مزاج اور نفسیات سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ اس حکومت کو کسی طرح بھی انقلابی قرار نہیں دیا جا سکتا نہ اس سے کسی انقلابی اقدام کی توقع کی جا سکتی ہے البتہ اس علیحدگی کے ذریعہ موجودہ حکومت نے ملک کے عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ خارجہ امور میں بہت آزاد ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہمارے خیال میں خود امریکہ اور برطانیہ ایک عرصے سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اس معاہدے کی کوئی افادیت باقی نہیں رہ گئی ہے اور یہ کہ جو مقاصد اس سے حاصل کرنا مقصود تھے وہ دوطرفہ فوجی معاہدوں سے پورے ہوتے رہیں گے ورنہ اگر سینٹو سے علیحدگی کا مقصد سامراج سے تمام غیر مساوی رشتے توڑنا ہوتا تو حکومت پاکستان امریکہ سے باہمی سلامتی کے فوجی معاہدوں سے بھی دستبرداری کا اعلان کرتی۔ اس کے برعکس حکومت کے اعلان میں کہا گیا ہے کہ "پاکستان جن حالات میں اور جس طریقے پر سینٹو سے الگ ہوا ہے اس سے ایران اور ترکی کے ساتھ اس کے پائیدار اور برادرانہ تعلقات متاثر نہیں

سینٹو سے علیحدگی کے بارے میں پاکستانی دفتر خارجہ کا بیان

۱۲ مارچ ۱۹۷۹ء کو پاکستان کے دفتر خارجہ نے سینٹو سے علیحدگی کے بارے میں مندرجہ ذیل بیان جاری کیا۔

کچھ عرصہ سے حکومت پاکستان علاقے میں پیش آنے والے جغرافیائی سیاسی حالات و واقعات اور بدلتی ہوئی بین الاقوامی صورت حال کی روشنی میں اپنی سینٹو کی رکنیت کا جائزہ لے رہی تھی۔ پاکستان نے ایران اور ترکی اور سینٹو کے غیر علاقائی ممبروں سے مسلسل مشاورت کر کے انہیں نئے حقائق کی روشنی میں اپنے اس خیال سے آگاہ کیا کہ یہ معاہدہ پاکستان کی سلامتی کے ساتھ اپنا تعلق کھو چکا ہے۔ حکومت پاکستان نے احتیاط کے ساتھ حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کے بعد کچھ عرصہ قبل سینٹو سے پاکستان کی رکنیت ختم کرنے کا اصولاً فیصلہ کیا تھا۔ سینٹو کے دوسرے ممبروں کو بھی مطلع کر دیا گیا تھا کہ پاکستان ان کے ساتھ دوطرفہ تعلقات میں کوئی خلل ڈالے بغیر معاہدہ سے بتدریج علیحدگی اختیار کرنے پر غور کر رہا ہے۔ اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ سینٹو کی سرگرمیوں میں پاکستان کس حد تک شرکت کر رہا ہے۔ پاکستان کو غیر جانبدار تحریک میں شامل کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ گزشتہ سال جولائی میں پاکستان نے بلغراد میں مہمان کی حیثیت سے غیر جانبدار ملکوں کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ تازہ مشورے امور خارجہ کے مشیر نے اپنے ایران کے دورے میں کئے اور ایران کی عبوری انقلابی اسلامی حکومت کے لیڈروں سے سینٹو کے مستقبل پر بات چیت کی جس سے ظاہر ہوا کہ دونوں ملک اس بارے میں یکساں خیالات رکھتے ہیں کہ سینٹو علاقے میں امن اور سلامتی کے مفاد کے لئے کام کرنے میں ناکام رہا ہے اور ان کے اتحاد میں شریک رہنے کا کوئی جواز نہیں رہا ہے۔ ایران کی وزارت امور خارجہ نے ایک رسمی بیان میں کہا ہے کہ ایران سینٹو کے ساتھ وابستہ نہیں رہ سکتا لیکن وہ علاقے میں امن اور سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے دوطرفہ اور علاقائی تعاون کو فروغ دینے کے لئے کام کرے گا۔ پاکستان نے سینٹو سے علیحدگی اختیار کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے ایران کی عبوری انقلابی اسلامی حکومت کا اعلان اس کے مطابق ہے جو معاہدہ کی متعلقہ دفعات کے مطابق کیا گیا ہے اور اس کی اطلاع دوسرے ممبر ملکوں کو دی جا چکی ہے۔ پاکستان جس حالات میں اور جس طریقہ پر سینٹو سے الگ ہوا ہے اس سے ایران اور ترکی کے ساتھ اس کے پائیدار اور برادرانہ تعلقات متاثر نہیں ہوں گے اور نہ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ اس کی روایتی دوستی کو نقصان پہنچے گا۔

ہوں گے اور نہ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ اس کی دوستی کو نقصان پہنچے گا۔" حکومت پاکستان کے اعلان میں کہیں بھی اس معاہدے کی ملک دشمن اور سامراجی نوعیت کی وضاحت نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی امریکہ کے ساتھ دوطرفہ راست فوجی معاہدوں کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے البتہ غیر وابستگی NON-ALIGNMENT کی تحریک میں شامل ہونے کی نیت، کا اظہار ضرور کیا گیا ہے۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جب پاکستان امریکہ کے ساتھ راست دوطرفہ فوجی معاہدے ختم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو وہ کیونکر خود کو "غیر وابستہ" قرار دے سکتا ہے۔"

اس کے برعکس ایران کی جانب سے جو سرکاری اعلان سینٹو سے علیحدگی کے سلسلے میں جاری کیا گیا ہے اس میں واضح طور پر سینٹو کے سامراجی کردار کی وضاحت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ سامراجی مفادات کے تحفظ کے لئے بنایا گیا تھا۔ ایران واقعی انقلاب سے گزر رہا ہے جہاں شہنشاہیت سامراج دوستی اور عوام پر جبر و استبداد پر مبنی ریاستی ڈھانچہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جا رہا ہے۔ پرانی فوج اور پولیس کو ختم کر دیا گیا ہے اور عوامی فوج اور پولیس کے ادارے جنم لے رہے ہیں یا انہیں قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آیت اللہ روح اللہ خمینی نے اپنے تمام تر مذہبی مزاج کے ساتھ ساتھ امریکی سامراج پر بھرپور حملے کئے ہیں۔ ایرانی انقلاب شہنشاہیت اور سامراج کے خلاف جدوجہد کا نتیجہ ہے جس نے اپنے آخری مرحلہ میں مسلح شکل اختیار کر لی ہے۔ اس لئے ایران کی نئی عبوری حکومت سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ شعوری طور پر قومی جذبے سے سرشار ہو کر اور سامراج دشمنی کے نظریئے کے تحت سینٹو سے الگ ہو گئی ہے لیکن یہ بات پاکستان کی حکومت کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی کیونکہ ہماری فوج اور بالخصوص اس کے بڑے افسر نوآبادیاتی محکومانہ کردار کا پس منظر رکھتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کی تربیت امریکہ اور برطانیہ میں ہوئی ہے۔ اس لئے ان سے کسی انقلابی عمل کی توقع رکھنا عبث ہے لیکن اگر اس فیصلہ میں واقعی جان ڈالنا اور اس سے عوام کو متحرک کرنا اور قومی آزادی اور سالمیت کو زیادہ مستحکم کرنا مقصود ہو تو پھر حکومت کو چاہیئے کہ وہ امریکہ کے ساتھ پاکستان کے دوطرفہ فوجی معاہدوں سے فوری علیحدگی کا اعلان بھی کرے اور اس طرح صحیح معنوں میں غیر وابستگی کے کردار کو اپنائے اور سینٹو سے علیحدگی کے فیصلے کے مثبت فوائد حاصل کرے۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ سردست اس فیصلے سے کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک فائدہ تو اس سے یہ حاصل ہو سکتا ہے کہ پڑوسی ممالک بالخصوص سوویت یونین، ہندوستان اور افغانستان کو یہ بتایا جائے کہ پاکستان کی موجودہ حکومت ان سے دوستانہ تعلقات بڑھانا چاہتی ہے اور وہ ان کے بالخصوص سوویت یونین کے دشمنوں کی اتحادی نہیں ہے۔ سینٹو کا معاہدہ سیٹو کی طرح کمیونسٹ اثر کو بڑھنے سے روکنے اور امریکی اور مغربی مفادات کے تحفظ کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ اس لئے سوویت یونین اور اس کے بعد ہندوستان اور افغانستان کو سینٹو کی تدفین پر یقیناً اطمینان کا اظہار کرنا چاہیئے۔ لیکن جہاں تک پاکستانی عوام کا تعلق ہے وہ تو صرف اسی صورت میں اس فیصلہ پر اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کر سکتے ہیں جب اس فیصلے کے دوسرے منطقی تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ ان میں پہلا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان سینٹو کی طرح امریکہ کے ساتھ اپنے دوطرفہ فوجی معاہدوں سے علیحدگی اور ان کی منسوخی کا اعلان کرے۔ اگر ہندوستان کسی بلاک سے نتھی ہوئے بغیر باعزت طور پر فوجی اور اقتصادی امداد دونوں بڑی طاقتوں سے حاصل کر سکتا ہے تو پاکستان کے لئے یہ شریفانہ معقول اور محفوظ راستہ اور حکمت عملی اختیار کرنے میں کون سی قباحت ہے۔ اس کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان ہر ایسی امداد کو مسترد کرے جو مشروط ہو۔ صرف مساوی بنیادوں پر غیر مشروط امداد ہی حاصل کی جانی چاہیئے۔ ہم اشتراکی ممالک اور اسلامی اور تیسری دنیا کے ممالک سے اور زیادہ قریبی تعلقات استوار کریں۔ اس فیصلہ کا ایک منطقی تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم کسی طور اپنی سرزمین کو غیر ملکی سامراجی مفادات کے لئے استعمال نہ ہونے دیں۔ ملک میں صحیح یا غلط یہ خبریں مشہور ہو رہی ہیں کہ بلوچستان کے ساحل پر کہیں امریکیوں کو سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو انتہائی تشویشناک بات ہے اور سینٹو سے علیحدگی کے فطری تقاضوں کے منافی عمل ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک کے بعض سامراج کے پروردہ عناصر اور ایک دو سیاسی جماعتیں جس طرح افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف پاکستان کی سرزمین کو اڈہ بنانے کی حوصلہ افزائی کر رہی ہیں وہ ہمارے وسیع تر قومی مفاد کے خلاف ہے۔ ایک شدید غلطی یحییٰ خان کی حکومت

(باقی صفحہ ۵ پر)

سنٹو سے علیحدگی، ایرانی وزارت خارجہ کا بیان

ایران کی وزارت خارجہ نے ۱۲ مارچ ۱۹۷۹ء کو سینٹو کے بارے میں مندرجہ ذیل بیان جاری کیا۔

ایران کی عبوری انقلابی اسلامی حکومت کی وزارت خارجہ اصولی طور پر سینٹو کو معاہدہ سعد آباد کی طرح سمجھتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اپنے دور میں معاہدہ سعد آباد نے صرف سامراجیوں کے مفادات کا تحفظ کیا جن کا واحد مقصد نوآبادیاں بنانا اور علاقہ کے لوگوں کا استحصال کرنا تھا اور انہوں نے کبھی ان ممالک کے عوام کی بھلائی کا خیال نہیں کیا۔ تاریخ نے ثابت کر دیا کہ جب معاہدہ سعد آباد رکن ممالک کے تحفظ کے لئے اقدامات کر سکتا تھا وہ خاموش تماشائی بنا رہا اور دنیا نے دیکھا کہ معاہدہ سعد آباد کے رکن ممالک پر کیا بیتی۔ سینٹو نے بھی جو اپنے وقت پر ایسے ہی اغراض و مقاصد سے وجود میں آیا ثابت کر دیا کہ یہ بھی اپنے علاقائی رکن ممالک کے لئے مؤثر اور قابل اعتبار گارنٹی نہیں بن سکتا اور یہ کہ معاہدہ سعد آباد کی طرح اس نے بھی بڑی طاقتوں کے مفادات کا تحفظ کیا اس لئے ایران کی وزارت خارجہ یہ نہیں سمجھتی کہ وہ معاہدہ کے مفادات کی پابند رہے گی کیونکہ یہ معاہدہ ایران کے عوام اور اس کے اتحادی شرکاء کے مفادات کا تحفظ اور حمایت نہیں کرتا اس کے برعکس یہ بنیادی طور پر اس علاقے کے لوگوں کے لئے غیر مفید اور نقصان دہ ہے۔ ہمارے معزز اتحادی شریک پاکستان نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے اور یہ واضح یقین رکھتا ہے کہ سینٹو آزادی کے بعد سے نہ تو پاکستان کی درپیش مشکلات حل کرنے کے قابل ہو سکا نہ ہو گا۔ اس کی بجائے سینٹو نے اس کے لئے بین الاقوامی مشکلات پیدا کی ہیں۔ دوسری جانب ایران کی عبوری انقلابی اسلامی حکومت علاقائی تعاون برائے ترقی کے دیگر رکن ممالک سے اقتصادی و سماجی میدانوں میں مشترکہ کوششوں اور تعاون کی کوشش کرے گی اور بڑی طاقتوں کی ہر قسم کی مداخلت سے گریز کرے گی ایک قدم آگے بڑھ کر ایران علاقے کے دیگر ہمسایہ ممالک کی جانب تعاون کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور پُرخلوص دعوت دیتا ہے کہ وہ اقتصادی، ثقافتی اور سماجی تعاون میں شریک ہو جائیں۔ حکومت ایران کو یقین ہے کہ وہ اقتصادی ثقافتی اور سماجی تعاون میں عظیم تر توسیع کے لئے اقدامات کرے گی۔ حکومت یہ بھی یقین رکھتی ہے اور امید کرتی ہے کہ یہ علاقائی امن اور باہمی بین الاقوامی تحفظ میں مددگار ہو گی ●

تره کی کا کنٹرول نہیں تو پاکستان

میں کس لئے "تشریف" لائے ہیں.

خان قیوم ضیا صاحب کی سیاسی جماعت میں ضم ہونا چاہتے ہیں

"پاکستان سینٹو سے علیحدہ ہوگیا ہے" اس خبر کا بڑے عرصہ سے انتظار تھا. صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے مشیر امور خارجہ مسٹر آغا شاہی بڑی عجلت میں ایران گئے اس سے زیادہ عجلت میں واپس آئے اور بڑی عجلت میں بلائی گئی ایئر پورٹ پریس کانفرنس میں انہوں نے نوید دی کہ ایران سینٹو سے علیحدہ ہونے والا ہے. اس کے بعد پاکستان بھی علیحدہ ہو جائے گا. اگلے روز اس سے بھی زیادہ عجلت میں بلائی گئی پریس کانفرنس میں آغا شاہی نے پاکستان کے سینٹو سے نکلنے کا اعلان کر دیا. عین اسی وقت ایران میں بھی اسی قسم کا اعلان ہو رہا تھا. سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان اور ایران نے سینٹو سے نکلنے کا فیصلہ کیوں کیا ہے. ایران کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے البتہ پاکستان کے بارے میں اتنا ضرور جانتے ہیں کہ جب سے پاکستان نے بلغراد میں غیر جانبدار ملکوں کی کانفرنس میں بطور مبصر شرکت کی. اس کے بعد سے یہ امکان واضح ہو گیا تھا کہ اب پاکستان کے لئے اس کانفرنس میں شرکت کئے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس کے لئے سینٹو کو چھوڑنا پڑے گا. ایران کے حالات جس قدر تیزی سے بدلے اس کے بعد پاکستان کے فوجی حکمرانوں نے توقع باندھی کہ اب ایران کی تمام نوازشات صرف پاکستان کے لئے مختص ہوں گی. یہ توقعات بڑھتی گئیں اور اسی اثنا میں امریکہ کے نائب وزیر خارجہ مسٹر کرسٹوفر پاکستان آئے. پاکستان کے فوجی حکمرانوں نے اپنی اس دبی ہوئی خواہش کا برملا اظہار کر دیا کہ اب جب کہ خلیج فارس میں امریکہ کے مفادات ایران کے ہاتھ سے جانے کے بعد یوں ہی موجود ہیں تو کیوں نہ پاکستان ان مفادات کا امین بن جائے. مگر امریکی نائب وزیر خارجہ جو تمام امور کے لئے تیار ہو کر آئے تھے انہوں نے بہت واضح کہا کہ یہ ناممکن ہے امریکہ بھارت کے مقابلے میں اور بھارت کی دوستی کی قیمت پر پاکستان کو آگے نہیں بڑھا سکتا. انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان کو اپنے سائز کے مطابق بات کرنی چاہیئے. اگر ہم نے خلیج فارس میں اور بحیرہ عرب میں اپنے مفادات کی نگرانی بھارت کے علاوہ کسی اور کے حوالے کرنے کے بارے میں سوچا بھی تو کویت یا سعودی عرب کو یہ فرض سونپا جائے گا. انہوں نے پاکستان کے فوجی حکمرانوں کو مشورہ دیا کہ تم اپنے حالات درست کرو. انتخابات کراؤ. دوسروں کے "ملمے

اسلام آباد

ذوالفقار حیدری

بننے کی کوشش نہ کرو. یہ جوابات بلکہ صاف اور کھری باتیں خارش میں زیادہ اضافہ کا باعث بن گئیں. چنانچہ اس فوری وجہ سے اور روس کو خوش کرنے کی ایک اور اہم وجہ کی بنیاد پر پاکستان سینٹو سے علیحدہ ہو گیا. مگر سوال یہ ہے کہ اس معاہدے سے پاکستان اگر روس کو خوش کرنے اور غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے اس معاہدہ سے علیحدہ ہوا ہے کہ اس نے سفارتی سطح پر کیا منفعت حاصل کی ہے. اس سوال کا بغور جائزہ لیا جائے تو سوائے مایوسی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا. کیونکہ سفارتی سطح پر پاکستان اب جو کچھ کر رہا ہے وہ اس تمام اقدامات کے اثرات زائل کرنے کے مترادف ہے جو اس نے سینٹو سے نکل کر حاصل کیا تھا. پاکستان اس وقت بڑی سنجیدگی سے دوبارہ کامن ویلتھ ایسوسی ایشن میں شریک ہونے کی تجویز پر غور کر رہا ہے. اس کے ساتھ ساتھ فوجی حکمرانوں کے ساتھ اس وقت جو جماعت در اصل برسر اقتدار ہے اور جس کا نام جماعت اسلامی ہے. وہ اپنی ازلی پاکستان دشمنی اس طرح پوری کر رہی ہے کہ افغانستان میں جو عوام دوست حکومت برسر اقتدار آئی ہے. اس کے خلاف جد وجہد کرنے والے جماعت اسلامی افغان لغل بچوں کی پریس کانفرنس کا اہتمام کرائے اس طرح کہ یہ پریس کانفرنس تمام مقبوضہ اور سرکاری اخبارات میں من وعن شائع ہو. افغانستان سے بھاگ کر آنے والے چند افراد کی پریس کانفرنس جماعت اسلامی نے لاہور اور راولپنڈی کے فیشن ایبل ہوٹلوں میں منعقد کرائی. اخبار نویسوں کو بڑی پر تکلف دعوت دی گئی. دوسرے ممالک کے معاملات میں بلکہ اندرونی معاملات میں جماعت اسلامی کی اس حد تک مداخلت اور دلچسپی کو سوائے اس کے اور کیا نام دیا جا سکتا ہے کہ آپ اس اقدام کے ذریعے وہ ان ممالک کو بھی پاکستان کے خلاف کر دینا چاہتی ہے جو پاکستان کا دوست رہنا چاہتے ہیں دشمنی پیدا کرنے کے تمام الزام جماعت اسلامی کے سر پر اتر کر اس ملک کے سر چلا جائے گا جو پاکستان کی سالمیت پر ضرب لگانے کا باعث بنے گا. اخبار نویسوں نے افغانستان کے ان رہنے والوں سے پوچھا کہ اگر آپ کے ملک میں

(باقی صـ۲۹ پر)

غینوں کی ڈائری

مفتی، نصر اللہ پریس کلب میں بغلیں جھانک رہے ہیں

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستان کے آئین مجریہ ۱۹۷۳ء میں، جس کا وجود اس وقت متنازعہ بن چکا ہے کہ یہ آئین عملی طور پر موجود ہے یا ختم ہو چکا ہے، انتہائی بنیادی ترامیم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ ان ذرائع کے مطابق یہ فیصلہ جنرل ضیاالحق نے پی این اے کے رہنماؤں کو اعتماد میں لینے کے بعد کیا ہے۔ پی این اے کے ان رہنماؤں میں مفتی محمود اور نوابزادہ نصراللہ خان جیسے "جمہوریت کے علمبردار" بھی شامل ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ان دونوں رہنماؤں کو ان ترامیم پر رضامند کرنے میں جماعت اسلامی کے رہنما اور پنجاب کے "پڑھے لکھے آرائیں نوجوان" میاں طفیل محمد نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

یہ دستوری ترمیمات اعلیٰ سرکاری حلقوں میں "جنرل راؤ فرمان علی فارمولے" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ ترامیم دور رس اثرات کی حامل ہوں گی کیونکہ ان کے ذریعے مستقبل میں سیاست دانوں کو "صراطِ مستقیم" پر چلانے کا مکمل بندوبست کیا گیا ہے۔ ہم نے گذشتہ کالموں میں لکھا تھا کہ ملک میں اگر آئندہ جمہوریت لائی گئی تو وہ محدود (CONTROLED) جمہوریت ہوگی۔ ارباب "محدود جمہوریت" کے اس تصور کو ایک قانونی مسودے کی شکل دے دی گئی ہے۔ اور یہ "کارنامہ" پاکستان کے "اصلی تے وڈّے" قانون دان مسٹر اے۔ کے بروہی نے انجام دیا ہے۔ اس مسودے کے مطابق جمہوریت اور سیاست کو کنٹرول کرنے کی "لاٹھی" فوج کے ہاتھ میں ہوگی۔ مسلح افواج کا نمائندہ صدر مملکت ہوگا۔ اور اسے یہ اختیار ہوگا کہ ملک کی "آزادی اور خود مختاری" کی حفاظت اور تحفظ کے نام پر جب چاہے قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دے۔ منتخب حکومت کو برطرف کر دے۔

معلوم ہوا ہے کہ دستوری ترمیمات کے اس مسودے میں چھوٹے صوبوں کو "خوش" کرنے کا بھی خاطر خواہ "بندوبست" اس طرح کیا گیا ہے کہ سینیٹ کے اختیارات میں اضافے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کچھ عرصے سے تحریکِ استقلال کے سربراہ اصغر خان، مساوات پارٹی کے حنیف رامے مطالبہ کر رہے تھے کہ چھوٹے صوبوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے سینیٹ کے اختیارات میں اضافہ کیا جائے۔ اور حال ہی میں مسلم لیگ (چٹھہ گروپ) کے ملک قاسم اور پگاڑا مسلم لیگ کے ایس ایم ظفر نے بھی یہی رٹ لگانا شروع کر دی تھی۔

باخبر ذرائع کے مطابق یہ آئینی ترامیم چاشنی چڑھا کر منظرِ عام پر لائی جائیں گی تاکہ بزعمِ خود "لبرل اور ترقی پسند" سیاسی رہنماؤں مثلاً حنیف رامے، سردار شیر باز مزاری، اصغر خان، وغیرہ کو انہیں منظور کرنے کا جواز مل جائے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ ترامیم، اُس حکم کا ایک حصہ ہوں گی، جس کے تحت آئندہ عام انتخابات کرائے جائیں گے۔ ان ترامیم میں ۱۲ ربیع الاول کو نافذ کئے گئے اسلامی قوانین کو تحفظ فراہم کئے جانے کے ساتھ ساتھ، فوج کے چیف آف اسٹاف یا فوج کے نامزد نمائندے کو صدرِ مملکت بنانا، صدر کے اختیارات میں اضافہ، پارلیمان کو توڑنے، حکومت کو برطرف کرنے، مارشل لاء لگانے کے اختیارات، سینیٹ کے اختیارات میں اضافہ اور عام انتخابات کے بعد مقررہ مدت میں بلدیاتی اداروں کے الیکشن کرانا وغیرہ شامل ہوں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس "حکم" میں ایک شق یہ بھی رکھی جائے گی کہ عام انتخابات میں حصہ لینے

فوج کے چیف آف اسٹاف کو اختیارات دینے کے لئے آئین میں انتہائی بنیادی ترامیم ہونگی

"قومی اتحاد" نے راؤ فرمان علی فارمولے کی منظوری دے دی

این پی ٹی کو کسی سیاسی جماعت یا نجی ملکیت میں نہ دیا جائے: برنا

پی پی ایل، مشرق اور مارننگ نیوز کے آزاد اور عوامی مفاد کے تابع ٹرسٹ بنائے جائیں

پی ایف یو جے کے صدر اور ایپنک کے چیئرمین جناب منہاج برنا نے متنبہ کیا ہے کہ نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات کو اگر کسی حکمران، سیاسی جماعت یا نجی ملکیت میں دینے کی کوشش کی گئی تو اس سے رسوائے زمانہ ٹرسٹ کو ختم کرنے کا مقصد فوت ہو جائے گا جس کے حصول کے لئے پوری قوم ایوب خان کے دور حکومت سے اب تک جدوجہد کرتی چلی آرہی ہے۔

انہوں نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ ملک بھر کے اخباری کارکن ٹرسٹ کے اخبارات پر کسی نئی شکل میں سرکاری کنٹرول کو قبول نہیں کریں گے جس کی وجہ سے ٹرسٹ کے اخبارات انتظامی اور مالی اعتبار سے تباہی کے کنارے تک پہنچ چکے ہیں۔

جناب برنا نے کہا کہ ٹرسٹ میں جو اخباری ادارے شامل ہیں ان کی تشکیل نو پی ایف یو جے کے دیرینہ مطالبہ کے مطابق کی جانی چاہیئے جس کا مطلب یہ ہے کہ پی پی ایل، مشرق، اور مارننگ نیوز کے علیحدہ علیحدہ آزاد اور عوامی مفادات کے تابع ٹرسٹ قائم کئے جانے چاہئیں جن پر متعلقہ اداروں کے کارکنوں کا موثر کنٹرول ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ اس قسم کے آزاد ٹرسٹ دوسرے جمہوری ممالک میں کافی کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔

پی ایف یو جے کے صدر نے اس بات پر زور دیا کہ این پی ٹی کے مستقبل کے سلسلے میں حکومت اپنی کسی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے سے قبل اسی کے متعلق متعلقہ اداروں کے کارکنوں کو اعتماد میں لے اور اس سلسلے میں ان کے منتخب عہدیداروں سے صلاح و مشورہ کرے اور کارکنوں کی خواہشات کا احترام کرے۔ انہوں نے کہا کہ این پی ٹی کو توڑنے کی جو اسکیم حکومت نے تیار کی ہے اسے فوری طور پر عوام کے سامنے پیش کیا جائے اور اس سلسلے میں راز داری کی پالیسی کو ترک کیا جائے۔

جناب برنا نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ حکومت ٹرسٹ میں شامل اقتصادی طور پر کمزور اداروں اور بالخصوص مارننگ نیوز کے لئے کافی فنڈ فراہم کرے اور اس کی ضمانت دے کہ ٹرسٹ ٹوٹنے کے بعد کوئی پرچہ بند نہیں کیا جائے گا اور ان اخباروں میں کام کرنے والے تمام کارکنوں کی ملازمتیں محفوظ رہیں گی۔

■

والی سیاسی جماعتیں' نئی منتخب شدہ پارلیمان میں ان ترمیمات کی حمایت میں ووٹ دینے کی پابند ہوں گیں۔ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے ہر امیدوار کے لئے لازمی قرار دیا جائے کہ وہ نامزدگی فارم کے ساتھ ہی ایک حلف نامہ داخل کرے جس میں وہ وعدہ کرے کہ وہ ان دستوری ترامیم کی مخالفت نہیں کرے گا۔

باخبر ذرائع نے اس بات کی بھی اطلاع دی ہے کہ حکومت نے اکتوبر تک انتخابات کرانے کا فیصلہ بھی فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں بھی کم سے کم پی این اے کے رہنما اور ریٹائرڈ اصغر خان کو اعتماد میں لے لیا گیا ہے۔ ان ذرائع نے اپنی معلومات کی حمایت میں جنرل ضیا سے اصغر خان کی حالیہ ملاقات اور کراچی میں مفتی محمود کی پریس کانفرنس کا حوالہ دیا ہے۔ واضح رہے کہ جنرل ضیا سے ملاقات کے بعد اصغر خان نے اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے ایک معنی خیز بات کی کہ وہ مطمئن ہیں کہ اگست تک انتخابات کے ابتدائی انتظامات مکمل ہو جائیں گے' یاد رہے کہ اس سے پہلے ہمیشہ یہ کہا جاتا تھا کہ اگست سے پہلے انتخابات کے پروگرام کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اور اب فقط ابتدائی انتظامات کی بات کی جا رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہنوز دلی دور است۔ دوسری طرف کراچی میں ایک پریس کانفرنس کے دوران مفتی محمود نے بار بار کہا کہ "اگر اس سال انتخابات نہیں کرائے گئے تو وہ حکومت سے باہر آجائیں گے"۔ واضح رہے کہ اس بار انہوں نے "اکتوبر تک انتخابات کی بات ختم کر کے "اس سال" انتخابات کرانے کی بات کرنا شروع کر دی ہے۔ اب دیکھیں آگے آگے ہوتا ہے کیا'

واضح رہے کہ پی این اے کے رہنمایان کرام' ان دنوں کراچی کے دورے پر آئے ہوئے تھے' دورے پر کیا آئے، ایسے لگتا تھا کراچی پر پی این اے نے حملہ کر دیا ہو اور فاتح بن کر آئے تھے۔ پاکستان کی پاک سرزمین سے ابھی تک مارشل لا نہیں اٹھایا گیا، وہ اب تک پورے آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ مارشل لا قوانین کے تحت ملک میں جلسہ کرنا، جلوس نکالنا، کھلے اور عام مقامات پر سیاسی نعرے لگانا اور سیاسی جماعتوں کے پرچموں کی نمائش ممنوع ہے۔ اس "جرم" کے ارتکاب کے نتیجے میں ملک کی بہت بڑی سیاسی جماعت کے ہزاروں کارکن کافی عرصے سے جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں' محض "جیئے بھٹو" کا نعرہ لگانے پر کئی سو پی پی کارکنوں کی ننگی پیٹھ پر اس اسلامی مملکت میں کوڑے برسائے گئے۔ لیاقت آباد پی پی کے ایک رہنما مولانا محمد شریف کو تو فقط اس وجہ سے جیل میں بند کر دیا گیا کہ انہوں نے اپنے گھر پر پی پی کا پرچم لہرایا۔ مگر متعلقہ مارشل لا قوانین کُند معلوم ہونے لگے۔ جب کچھ دن ہوئے پی این اے کے رہنما مثلاً مولانا مفتی محمود، نوابزادہ نصراللہ خان' جو اپنے آپ کو جمہوریت کے چیمپئن سمجھتے آئے ہیں، سندھ کے دورے کے اختتام پر جب کراچی وارد ہوئے تو سرِعام ان کا ایک جلوس نکالا گیا جس میں سیاسی نعرے لگائے گئے اور جلوس میں شامل گاڑیوں پر پی این اے کی ممبر جماعتوں کے پرچم لہرائے گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ پی این اے کے رہنماؤں کو کھلی آزادی فراہم کرنے کے لئے کچھ دنوں کے لئے کراچی سے مارشل لا اٹھا لیا گیا ہو۔

کراچی میں مختصر قیام کے دوران پی این اے کے رہنماؤں نے کوئی ایک درجن تقریبات میں خطاب

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

فار ایسٹرن اکنامک ریویو - ۱۶ مارچ

پیرزادہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں

حال ہی میں لاہور میں ایک اعلان میں صدر ضیاالحق نے اعتراف کیا کہ قومی بیماری جو ایک عرصے سے ناسور بنی ہوئی تھی بالآخر ایک نازک مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ ان کی اپنی کمان کو چھوڑ کر پورا ملک منقسم اور گروہ بندی میں ملوث ہے۔ جو کچھ انہوں نے نہیں کہا، اور جسے کوئی بھی متنازعہ نہیں سمجھتا یہ ہے کہ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو، ہر ایک کے اپنے نکتہ نظر کے مطابق، یا تو اس بیماری کی جڑ ہیں یا اس کا واحد علاج۔

اور اسی آگاہی کے پس منظر میں کئی رجائیت پسندوں نے ضیا کی سزا یافتہ وزیراعظم کے قریب ترین رفیق کار عبدالحفیظ پیرزادہ سے ملاقات کی اعتدال پسندی کی کامرانی اور قومی مفاد کی فتح کے طور پر پذیرائی کی۔ مگر ۴۸ گھنٹے کے اندر جنتا نے اعلان کیا کہ مسٹر بھٹو کو ایک سیاسی قتل میں مبینہ طور پر ملوث ہونے کی بنا پر سزائے موت دینے کے بارے میں اس کے ارادے تبدیل نہیں ہوئے ہیں۔

پُرامیدی اس حقیقت سے پیدا ہوئی کہ ضیا پیرزادہ ملاقات ۳ واقعات کے جلو میں ہوئی تھی، یعنی سعودی عرب کے شاہ خالد کی طرف سے رحم کی اپیل، سعودی عرب کے سفیر کی ضیا کا جواب لے کر سعودی دارالحکومت ریاض روانگی اور ضیا کے ۳ اعلیٰ مددگاروں کا ریاض کا مختصر دورہ۔

یقین کیا جاتا ہے کہ وفد ۵۰ کروڑ امریکی ڈالر کی امداد کی مضبوط الیقین دہانی لے کر آیا ہے۔ اہم اشیا کی خریداری کے لئے اس رقم کی شدید ضرورت ہے۔ اور گو کہ رجائیت پسند جنتا کے سخت موقف سے عارضی طور پر ڈگمگا گئے تھے مگر اس بات پر مشکل ہی سے یقین آئے گا کہ وفد کے مذاکرات کے دوران بھٹو کا مسئلہ نہ اٹھایا گیا ہو۔

شاہ خالد نے صرف اپنی منشا سے ہی مداخلت نہیں کی ہے بلکہ فرانس اور مغربی جرمنی نے بھی اس بات پر زور دیا تھا۔ الجزائر، لیبیا، شام، عراق، متحدہ عرب امارات، کویت، تنظیم آزادی فلسطین اور مراکش نے اثر ڈالا تھا۔ بعض انتہا پسند عرب نجی طور پر کہتے ہیں

کہ سعودی عرب کی پس پردہ رضامندی کے بغیر بھٹو کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔

علاوہ ازیں سعودی عرب کی طرف سے اس طرح کی مداخلت کی نظیر موجود ہے۔ ۱۹۵۰ء کے آس پاس لاہور ہائی کورٹ سے مولانا مودودی کو ملنے والی سزائے موت سے رہائی بھی سعودی دباؤ کے بعد ہی نصیب ہوئی تھی۔ بعض مبصرین کہتے ہیں کہ مولانا مودودی دائیں بازو کی جماعت اسلامی کے بانی، رہنما اور فلسفہ ساز ہیں۔ یہ جماعت آج کل ضیا کی قریب ترین شریک کار ہے، آخری بات یہ کہ اسلام آباد کی ساری کی ساری سفارتی کور نے اب ضیا کا یہ بیان سن لیا ہے کہ وہ شاہ خالد کی خواہش کو حکم تصور کرتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی جو ہمیشہ سعودی عرب سے قریبی تعلق کی پُرجوش مدعی رہی ہے، نے ایسی اپیلوں کے خلاف، جیسی کہ شاہ خالد نے کی ہے، ایک زبردست مہم چلائی ہے اور انہیں داخلی معاملات میں ناخوشگوار مداخلت قرار دیا ہے۔ اس کی دینی حریف جمعیت العلمائے پاکستان نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے رہنما مولانا نورانی نے بھٹو کو پھانسی دینے کی حمایت میں پُرزور خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ضیا بذات خود اپنے مورچے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ۳ مارچ کو انہوں نے نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنما ولی خاں سے کہا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد کیا جائے گا لیکن پیرزادہ بھی اپنی راہ عمل سے ہٹنے کی کوئی علامت ظاہر نہیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے انکار کیا کہ انہوں نے کوئی رحم کی اپیل کی تھی، کہا کہ وہ ضیا سے پھر ملیں گے اور یہ تبصرہ کیا کہ "یہ اہم بات نہیں ہے کہ کس کی پہل قدمی پر ملاقات ہوئی۔ جس کسی نے بھی اس کا انتظام کیا وہ اعلیٰ ترین قومی مفاد میں کام کرنے پر تعریف کا مستحق ہے"۔

قومی اتحاد (پی این اے) کے قائد مفتی محمود کا رویہ پوری طرح واضح نہیں ہے، جنہوں نے اعلان کیا کہ گو ضیا کو آزادی ہے کہ وہ کابینہ میں پی این اے کے وزیروں سے مشورہ کریں۔ مگر بھٹو کو پھانسی دینے کے آخری ذمہ دار صرف ضیا ہوں گے۔ دوسری طرف اگر انہیں سزا کو موقوف کرنے کے بارے میں غور کرنا ہو تو ان کا فرض ہے کہ وہ پہلے پی این اے سے منظوری لیں۔

اسی دوران سپریم کورٹ میں مقدمہ قریب الختم ہے چاہے اس کے فیصلے میں ان مسلسل اقدامات کی وجہ سے تاخیر ہو سکتی ہے جن میں اس بنچ کی تشکیل کی قانونی حیثیت کو چیلنج کیا گیا ہے جس [illegible] بھٹو کی اپیل کو نمٹایا تھا ✱

غیر ملکی صحافیوں کا تعاقب اور خفیہ والوں کی ریس

ڈیلی ٹیلیگراف' بروس لوڈون' یکم مارچ ۷۹ء

جیسے جیسے بھٹو کے رزمیے کے نکتۂ عروج پر پہنچنے کی علامات ظاہر ہو رہی ہیں ویسے ویسے پاکستان میں غیر ملکی سیاحوں، بھٹو کے حامی وکیلوں یہاں تک کہ بعض سرکاری حکام پر پولیس کی نگرانی میں شدت آگئی ہے۔

بھٹو کے اعلیٰ قانونی مشیر مسٹر یحییٰ بختیار کی اس حد تک نگرانی کی جاتی ہے کہ ان کے لئے اپنے راولپنڈی کے ہوٹل میں حسبِ معمول صلاح مشورہ کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

مسٹر بھٹو کے دانتوں کے معالج اور خاندان کے ایک قریبی دوست ڈاکٹر ظفر نیازی تقریباً مسلسل نگرانی میں اپنی زندگی گذار رہے ہیں۔

اس نگرانی کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ بہ ظاہر اسی حد تک محدود بھی ہے کہ تعاقب کرنے والے اپنے ہدف کا تیزی سے پیچھا کرتے ہیں لیکن فاصلہ برقرار رکھتے ہیں۔ اس کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی کم از کم غیر ملکی سیاح جب انہیں چیلنج کرتے ہیں تو وہ انتہائی خوفزدہ نظر آتے ہیں اور بھاگ نکلتے ہیں۔

اس ہفتے دو بار "خفیہ" کے لوگوں نے میرا اور دوسرے غیر ملکی نامہ نگاروں کا پیچھا کیا۔ پیر کے دن کراچی میں جب ہم نے سپریم کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تو ۳ افراد ایک سنہری رنگ کی لیموسین میں ہمارا تعاقب کرتے رہے۔

ان سے پیچھا چھڑانے میں ایک انتہائی اناڑیوں جیسی کوشش ہی کام کر گئی۔ منگل کے دن میں بی بی سی کے مارک ٹیلی اور گارجین کے پیٹر نسونڈ کے ہمراہ تھا جب ہم نے محسوس کیا کہ ہماری نگرانی کرنے والے ۳، افراد ایک ٹویوٹا میں ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم لوگ بھٹو کے ہمدردوں کے ساتھ نہیں بلکہ پاکستان کے ایک سینیئر اور قابلِ احترام سرکاری افسر کے ساتھ ڈنر کھانے کے لئے جا رہے تھے پھر بھی نگرانی کرنے والوں کو ڈنر پر لے جانا سماجی اعتبار سے ناقابلِ قبول ہے۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کیا' انہیں چکمہ دیا جائے۔

ہم اسلام آباد کی گلیوں میں گاڑی دوڑاتے رہے اور ہمارا تعاقب کرنے والے ہم سے کوئی ۱۰۰ گز پیچھے رہے۔ اور ہمارا ڈرائیور محمد سلیم نے جو موقعہ کی ڈرامائی کیفیت میں کھویا ہوا تھا کچھ دیر کے لئے "خفیہ" کے لوگوں کو چکمہ دے دیا۔ اور تیزی سے کار سے اتر کر ہم پیدل ڈنر کھانے کے لئے پہنچ گئے۔

آدھی رات کے وقت ہم اپنے ڈرائیور سلیم سے ملے جس نے اپنی گاڑی ایک قریبی مسجد کے میدان میں کھڑی کر رکھی تھی۔ ہم روانہ ہوئے تو ہمارا پیچھا کرنے والے بھی نمودار ہو گئے۔ اور تعاقب کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

سلیم نے ان کی طرف تیزی سے گاڑی دوڑائی' اور تیز آواز کے ساتھ ان کی کار کے آگے رک گیا۔ اگلی نشست سے مارک ٹیلی اور پچھلی نشست سے میں اور نسونڈ چھلانگ لگا کر باہر نکلے۔

"خفیہ" کے لوگ بے حد خوفزدہ نظر آئے وہ بھاگ نکلے اور سلیم نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ انہیں خوفزدہ کر کے بھگانے کے لئے اتنا ہی کافی تھا اور وہ دوبارہ نظر نہیں آئے۔

اس دوران غیر ملکی نامہ نگار پاکستان سے بھیجے جانے والے ٹیلیکس مواد کے تیسرے فریقوں کے ہاتھ میں پہنچنے کے سلسلے میں ممکنہ اقدام کے بارے میں ابھی تک وکلاء سے مشورے کر رہے ہیں۔ نامہ نگار اس بات کو یقینی بنانے کے لئے فکرمند ہیں۔ محکمہ تار کے حکام کو نامہ نگاروں کے تاروں کی نقلیں تیسرے فریق کو فراہم کرنے سے روکا جائے۔

ہفتے کے دن پانچ برطانوی اور ایک امریکی اخبار نویس کو بھٹو کے مقدمے کی خبریں بھیجنے کے سلسلے میں توہینِ عدالت کی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا۔

ان میں میں خود، نسونڈ، ٹریور ووڈ، رائٹر کے مقیم نامہ نگار، کرس شبول' ایک مقیم آزاد اخبار نویس' جو آبزرور، فائنانشل ٹائمز اور بی بی سی کو خبریں بھیجتے ہیں' ڈکٹوریہ شیفیلڈ جو کبھی کبھار اسپکٹیٹر کو خبریں بھیجتی ہیں' اور نیوز ویک کے رون موریو شامل ہیں۔

نامہ نگاروں کے خلاف درخواستیں مسترد کر دی گئیں

بھٹو کے لئے رحم کی ایک درخواست جسے کوئینز کورٹ کے مسٹر لوئس بام کو برا اور ترکی کے ایک آئینی قانون داں نے مرتب کیا ہے۔ پاکستان کے سپریم کورٹ کو پیش کر دی گئی ہے۔ گذشتہ دن لندن میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اس کا اعلان کیا۔

ڈیلی ٹیلی گراف
بروس لوڈون
۴ مارچ ۱۹۷۹ء

کینسل مائی لاسٹ اناؤنسمنٹ

پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاالحق نے گذشتہ رات بھٹو کے انجام کے بارے میں اپنے ایک پُرزور بیان میں کہا کہ وہ سابق وزیرِ اعظم کو پھانسی دینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں بشرطیکہ سپریم کورٹ انہیں دی جانے والی سزا کو برقرار رکھے۔

جنرل ضیا نے انکشاف کیا کہ فوجی بغاوت کے ذریعے بھٹو سے اقتدار چھیننے کے بعد سے ۱۸ ماہ میں پاکستان میں ۴۰۰ افراد کو پھانسی دی گئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ ان تمام لوگوں کے معاملے میں انہوں نے رحم کی اپیلیں اور معافی کی درخواستیں مسترد کر دی تھیں۔

گذشتہ رات یہ بیان دے کر جنرل ضیا نے جاں بخشی کی ان تمام اپیلوں کا جواب دے دیا ہے جو عالمی رہنماؤں کی اکثریت نے کی تھیں اور جن میں فیصلہ کن سمجھی جانے والی وہ اپیل بھی شامل ہے جو سعودی عرب کے شاہ خالد نے پچھلے ہفتے کی ہے۔

لاہور میں اخبار نویسوں سے خطاب کرتے ہوئے جنرل ضیا نے کہا کہ "میں سربراہِ مملکت کی حیثیت سے بھٹو کے معاملے کا فیصلہ کرتے وقت اپنا آئینی اختیار ضرور استعمال کروں گا۔ لیکن مجھے کوئی جواز نظر نہیں آتا کہ ایک فوجداری مقدّمے کے نتائج کو جس کا فیصلہ ایک اعلیٰ عدالت نے کیا ہے ختم کر دیا جائے۔"

مسٹر بھٹو کا مقدّمہ راولپنڈی میں سپریم کورٹ میں آخری مرحلے میں ہے۔ عدالت کل سے پھر اجلاس کرے گی۔ اور اگلے ہفتے مسٹر بھٹو کی نظرِ ثانی کی اس درخواست پر فیصلہ کرے گی جس میں پچھلے ماہ کے سزائے موت برقرار رکھنے کے فیصلے کے پہلوؤں کو چیلنج کیا گیا ہے۔

نظرِ ثانی کی درخواست کی سماعت کے دوران بیشتر دلائل اس سوال پر رہے ہیں کہ آیا سزائے موت کا جواز ہے یا آیا عدالت کو اسے عمر قید میں تبدیل کر دینا چاہیئے۔

جنرل ضیا کا گذشتہ رات کا بیان پہلی بار واضح نشاندہی کرتا ہے کہ عدالت جس فیصلے پر بھی پہنچتی ہے وہ خود کو اس کا پابند تصور کریں گے۔

مگر جنرل ضیا اپنے ذہن کو بدلتے رہنے والے شخص کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور بعض سفارت کار ان کا یوں ذکر کرتے ہیں "سی ایم ایل اے کینسل مائی لاسٹ اناؤنسمنٹ (میں اپنا پچھلا اعلان منسوخ کرتا ہوں)" یہ ان کے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے ٹائیٹل کے حوالے سے ہے۔

اسی دوران گذشتہ رات یہ معلوم ہوا کہ پاکستان میں مقیم برطانوی حکام ۳۵ سالہ جان جیمس سینٹی نامی لیورپول کے ایک شخص جو مائع حشیش رکھنے کے الزام میں لاہور جیل میں ہے، کو ملک کے نئے اسلامی قوانین کے تحت برسرِ عام کوڑوں کی سزا سے بچانے کی کوشش کے طور پر درخواست کرنے والے ہیں۔

عدالت میں جو کچھ ہوا یہ ہے کہ اسے بتایا گیا کہ اسے ۴ سال قید اور ۱۸ کوڑوں کی سزا ہو سکتی ہے اسے ۱۶ مارچ کو سزا دی جانے والی ہے اور برطانوی حکام اس بات کو یقینی بنانے کی فکر میں ہیں کہ کم از کم اسے کوڑوں کی سزا نہ دی جائے۔

پاکستان کے اسلامی قوانین جنہیں جنرل ضیا نے پچھلے ماہ متعارف کروایا، کوڑوں کی سزا کے بل پر تمام منشیات پر پابندی لگاتے ہیں۔ اگر سینٹی کو کوڑے مارے جاتے ہیں تو پہلا غیر ملکی ہوگا جو نئی سزاؤں سے براہِ راست متاثر ہو۔

مگر ہر روز بے شمار پاکستانیوں کو گرفتار کیا جا رہا ہے اور ایسے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں جن کا نتیجہ برسرِ عام کوڑوں کی سزا ہوگا۔ ان میں سے اکثر منشیات پر پابندی کے قانون کی خلاف ورزی کے الزامات میں ملوّث ہیں جس کی کم از سزا ۴۰ کوڑے ہیں۔

ایک سخت اسلامی ریاست مسلّط کرنے کے بارے میں بڑھتے ہوئے بحران میں پاکستان کے شیعہ فرقے کے ۲ کروڑ مسلمانوں کے رہنماؤں نے گذشتہ رات نئے قوانین کے خلاف "عام احتجاج" کی دھمکی دی۔

شیعہ فرقے کی مرکزی مجلسِ علما کے رہنما سید نصیر الاجتہادی نے اپنے پیروؤں کے لئے مذہبی آزادی کا مطالبہ کیا۔

شیعوں کو شکایت ہے کہ جنرل ضیا کے قوانین ان کے اپنے مذہبی اعتقادات کو کچل رہے ہیں، خاص طور پر وہ نئے مذہبی ٹیکسوں پر تنقید کرتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ سزاؤں کے متعلق قوانین ان کے عقائد کے خلاف ہیں۔

مثال کے طور پر جنرل ضیا نے سُنّی تعلیمات کی مطابقت میں حکم جاری کیا کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہوگی۔ مگر شیعوں کا عقیدہ ہے کہ یہ غلط ہے، اور کہ صرف انگلیوں کی پوریں کاٹی جانی چاہئیں۔

سید نصیر الاجتہادی، دوسرے اہم شیعہ رہنما ہیں جنہوں نے اس ہفتے نئے اسلامی نفاذ پر تنقید کی ہے۔

**

حسین معرفی کا انٹرویو

کویت ٹائمز — ۷ مارچ ۱۹۷۹ء

پھانسی

پاکستان کے لئے ایک قومی تباہی ثابت ہوگی

ریفرنڈم کرایا جائے یا اسلامی منصفوں سے فیصلہ کرایا جائے

کویت کے ممتاز افراد میں شاید ہی کوئی اتنا صاف گو اور اپنے سیاسی نظریات میں اس قدر واضح ہو جتنے کہ مسٹر حسین معرفی ہیں جو زمینوں اور جائداد کے مالک اور سرمایہ کار ہیں آج کل وہ جس معاملے میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ مسٹر بھٹو کے انجام کا مسئلہ ہے جیسا کہ مسٹر معرفی کہتے ہیں بھٹو کی موت، اگر انہیں پھانسی دی گئی تو، "پاکستان کے لئے ایک قومی تباہی ثابت ہوگی"۔

بھٹو پاکستان کے سابق وزیر اعظم تھے اور انہوں نے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے بہت کچھ کیا ہے، پاکستان ایک بڑا مسلم ملک ہے اور ہم فطری طور پر اس کی فلاح و بہبود کے بارے میں فکر مند ہیں" یہ بات مسٹر معرفی نے "مشرق" میں واقع اپنے وسیع دفتر میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہی۔

معرفی نے کہا کہ "جلالتہ الملک امیر کویت اور کویتی حکومت کے علاوہ، جنہوں نے صدر ضیاء الحق کو سزا یافتہ رہنما کی جاں بخشی کے لئے بذریعہ تار رحم کی اپیلیں بھیجی ہیں۔ مجھ جیسے کئی کویتی بھی یہی محسوس کرتے ہیں اور اس رائے پر متفق ہیں کہ انہیں سزائے موت نہیں دی جانی چاہیئے"۔

حسین معرفی طاقتور معرفی خاندان کے سربراہ ہیں جو جائداد، سرمایہ کاری، تفریح، ٹھیکیداری اور صنعتی کمپنیوں کا مالک ہے۔ وہ دسمان میں واقع آراستہ و پیراستہ دفتر سے ان کمپنیوں کا بندوبست چلاتے ہیں۔ مسٹر معرفی ایسے شخص ہیں جو پاکستان اور ہندوستان سے طویل عرصے سے تعلقات رکھتے ہیں اور اردو زبان کے عالم ہیں جو انہوں نے ہندوستان میں حصول تعلیم کے دوران سیکھی تھی۔

انہوں نے عدالتی کارروائی، لاہور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں کوئی سوال نہیں اٹھایا لیکن اس بات پر زور دیا کہ ججوں کو اپنے فیصلوں کے سلسلے میں خود اپنے ساتھ پر خلوص ہونا چاہیئے اور انہیں کسی خوف اور جانبداری کے بغیر فیصلے دینے چاہئیں۔ ...."

"اس حقیقت سے انکار کیا ہی نہیں جا سکتا کہ بھٹو ایک مقبول رہنما اور عوامی آدمی ہیں۔ اس لئے ان کے معاملے کا فیصلہ صرف عوام پر چھوڑ دینا چاہیئے" مسٹر معرفی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "پاکستان کے عوام کو یہ حتمی فیصلہ کرنے دیجئے کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دی جائے یا نہیں۔ ایک فوجی حکومت کو، جس کے پاس عوام کا دیا ہوا اختیار نہیں ہے عوام سے ان کا حق نہیں چھیننا چاہیئے"۔

بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کی صورت میں، مسٹر معرفی نے پاکستان کی سالمیت کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے زور دے کر کہا کہ "میں اس خطے سے واقف ہوں اور اگر اس سزا پر عمل درآمد ہوا تو پاکستان ٹوٹ سکتا ہے۔ اس طرح یہ معاملہ صرف کسی ایک فرد کے انجام اور فلاح و بہبود کا نہیں ہے بلکہ پاکستان کے عوام اور اس کے ایک مملکت کی حیثیت سے برقرار رہنے کا ہے"

"بھٹو کو سزائے موت دینا ایک مسئلے کا اختتام نہیں ہوگا بلکہ یہ مسئلے کی ابتداء ہوگی۔ اس طریقہ کار سے صرف پاکستان کے دشمن ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جیسا کہ وہ ملک میں فرقہ واریت اور علاقائیت پھیلا کر فائدہ اٹھا رہے ہیں"

انہوں نے مزید کہا کہ اگر صدر ضیاء کے لئے عوام سے فیصلہ لینا قابل قبول نہیں ہے تو پھر انہیں اس بات سے اتفاق کرنا چاہیئے کہ اسلامی ممالک کے قانون دانوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور اس سے کہا جانا چاہیئے کہ وہ آخری فیصلہ کرے اور تمام فریقوں کو اس فیصلے کی پابندی کرنی چاہیئے۔

مسٹر معرفی نے کہا کہ "ایک سابق صدر کو پھانسی دینا غلط بات ہے بھٹو موقع واردات پر موجود نہیں تھے اور نہ ہی فائرنگ کے واقعے سے ان کا مبینہ مقصد پورا ہوا۔ انہوں نے کسی کو ہلاک نہیں کیا اور انہیں شبہے کا فائدہ ملنا چاہیئے"۔

مسٹر معرفی نے آخر میں کہا کہ "ذاتی طور پر رحم کی درخواست نہ کرنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ عزت نفس رکھنے والا کوئی رہنما ایسا نہیں کرے گا۔ اسلام رحم اور تحمل کی تبلیغ کرتا ہے ہمیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے اور ایک دوسرے کو تباہ کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ ■

میں اپنی قوم کی تقدیر ہوں

بھٹو

بھٹو کی کتاب "اگر مجھے قتل کر دیا گیا" ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئی

مکتوبِ یورپ

فاروق طارق

آٹھ ہزار الفاظ اور سنسنی خیز سیاسی انکشافات پر مشتمل جب مسٹر بھٹو کی نئی تصنیف "اگر مجھے قتل کیا گیا..." بھارت کے ویکاس پبلشنگ ہاؤس، نیو دہلی سے چھپ کر ہانگ کانگ پہنچی تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ یہ تاریخی کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور دیکھتے دیکھتے پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ اس کے پبلشر دوسرے اور بعد ازاں تیسرے ایڈیشن کی بھی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ یورپ کے سیاسی مبصرین اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی اہمیت فرانز کافکا کے کلاسیکل ناول "دی ٹرائل" سے کسی طرح بھی کم نہیں۔

لندن ایک بین الاقوامی اہمیت کا شہر ہے۔ یہاں ہر ملک اور ہر خطہ، ہر رنگ و نسل اور زبان کے لوگ مل جاتے ہیں۔ امریکہ بھارت اور فرانس میں چھپنے والی کوئی کتاب لاکھوں کی تعداد میں گرم کیک کی طرح فروخت ہوتی ہے یہاں کے باشندوں میں ادب، آرٹ، سائنس اور سیاست کا گہرا ادراک ہے۔ اور بیشتر موضوعات پر عالمانہ بحث و مباحثہ اور مذاکرات ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ لوگ جدید معروف اور بے حد قیمتی وقت نکال کر ان موضوعات پر زیادہ خیال ضرور کرتے ہیں جو عالمی ادب اور سیاست پر گہرا اثر ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

بھٹو کے خلاف ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی کودیتا، بعد ازاں ان کے خلاف قتل کے الزامات میں مقدمات کی کارروائی اور تازہ ترین کال کوٹھری میں ان کی نئی تصنیف یہاں کے سیاسی حلقوں میں وقت کے ضیاع کا احساس نہ دلانے والی گفتگو کا پسندیدہ موضوع ہے:

سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت ویکاس کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے "خروشچیف کی یادداشت" کا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ بہر حال ان دونوں رہنماؤں کے درمیان دو باتوں کا فرق ضرور موجود ہے۔ خروشچیف نے ایک آزاد شہری کی حیثیت سے اپنی کتاب تصنیف کی، جب کہ بھٹو نے گرمی اور بارش کی دوپہروں میں دھوپ کی تمازت سے تپتی ہوئی کال کوٹھری میں موت کا انتظار کرنے والے ایک قیدی کی حیثیت سے اپنے قلم کا یہ کرشمہ دکھایا۔ انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے "میری آنکھیں خراب ہو چکی ہیں۔ میری صحت مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہے۔ مگر میرا حوصلہ بلند ہے۔"

دوسری مختلف بات یہ ہے کہ خروشچیف کی کتاب یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ جب کہ بھٹو کی یہ کتاب حکومت پاکستان کی جانب سے شائع کردہ وائٹ پیپر کے الزامات کا مدلل اور ٹھوس جواب ہے جس میں بھٹو کو ایک "مجرم" کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔

بھٹو کی اس سیاسی تصنیف کا اہم نکتہ یہ ہے کہ ان کا "قتل" ہنگامہ، انتشار، تنازعہ اور مخاصمت کو جنم دے گا" سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ بھٹو کی یہ بات غلط بھی نہیں ہے کہ ان کی زندگی سے زیادہ پاکستان کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔" کتاب کا زیادہ حصہ جنرل ضیاء الحق کے اس الزام کے جواب پر مخصوص ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مسٹر بھٹو اور ان کی پیپلز پارٹی نے مارچ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں دھاندلی کی۔ بھٹو نے ایک قابل شہسوار کے انداز میں اس الزام کی تسلی بخش طور پر تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ "انتخاب میں انفرادی بنیاد پر کی جانے والی" دھاندلیوں" کا ذمہ دار

مجھے کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ انتخابات میں کہاں دھاندلی نہیں ہوتی۔ اور پاکستان کے مارچ کے الیکشن میں بھی یقیناً کچھ دھاندلی ہوئی ہوگی۔ اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ کچھ لوگ خود کو شاہ سے زیادہ وفادار ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بھٹو کو ایک شخص احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے الزام میں موت کی سزا سنائی گئی ہے۔ اس کا لڑکا نشانہ تھا، مگر وہ بچ گیا۔ اور اس نے یہ الزام لگایا کہ اس قتل کے پیچھے سابق صدر اور سابق وزیر اعظم کا ہاتھ ہے استغاثہ کے دلائل کھلی عدالت میں سُنے گئے" جب کہ بھٹو کے بیان کو بند کمرے میں ریکارڈ کیا گیا۔ اس کتاب میں بھٹو نے انکشاف کیا کہ "قتل کے مقدمہ کی کارروائی کے دوران ایک جج نے یہ ریمارک دیا کہ "یہ مقدمہ ہم چلا رہے ہیں عوام نہیں"۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے مزید اضافہ کیا۔" یہ پبلسٹی کا خواہش مند ہے"۔ سپریم کورٹ میں جب مقدمہ کی کارروائی جاری تھی تو ایک جج ریٹائر ہو گئے اور دوسرے جج کو بھی بوجوہ علالت کارروائی میں شرکت سے معذور قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ ۴-۳ کی معمولی اکثریت سے سپریم کورٹ نے لاہور ہائی کورٹ کی موت کی سزا کو بحال رکھا۔

کتاب کا اہم حصّہ وہ ہے جس میں جنرلوں کی بوناپارٹ ازم کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ محمد علی جناح کی زندگی میں تو جنرلوں کو چادر سے پاؤں باہر نکالنے کا حوصلہ نہ ہوا لیکن ۱۹۵۱ء میں جب لیاقت علی خاں وزیر اعظم تھے تو اس وقت کے جنرل اسٹاف آف آرمی میجر جنرل محمد اکبر خان نے چھلانگ لگانے کی کوشش ضرور کی تھی، مگر لیاقت علی خان نے ان سے ایک قدم آگے چھلانگ لگا کر اس کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔ لیاقت علی خان کے بعد سے پاکستان کی کی عنانِ حکومت بالعموم جنرلوں کے پاس ہی رہی۔ بھٹو کے مطابق پاکستان کے قیام کے تیس سالوں میں دو بار ناکام فوجی کو دیتا، دو بار نیم فوجی کو دیتا اور تین مرتبہ مکمل فوجی کو دیتا کی مثالیں موجود ہیں۔

اس میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پاکستان کے فوجی حکمرانوں کے مغربی طاقتوں سے اطمینان بخش تعلقات رہے ہیں کتاب میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کی جوہری توانائی کے حصول کی خواہش کے انکشاف پر جنرل ضیاء وائٹ ہاؤس سے کچھ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس واقعہ سے بھٹو کے اس شبہے کو تقویت ملتی ہے کہ ضیا کے پس پشت غیر ملکی ہاتھ تھا۔ ۱۹۵۸ء میں جب مارشل لا نافذ کیا گیا تھا تو اس وقت فوج نے غیر ملکی نگرانی میں آپریشن ویل جام کے علامتی نام سے مشقیں کی تھیں جس کا مقصد سول حکومت کے کاروبار کو ٹھپ کرنا تھا۔ فوج اکثر و بیشتر اس تکنیک پر عمل کرتی ہے۔

بھٹو نے اپنی کتاب میں غیر ملکی چودھراہٹ اور فوجی لغاوتوں کے درمیان باہمی ربط و ضبط کی ٹھوس نشاندہی کی ہے جس کو انہوں نے کو۔ جیمونی (COUP - GEMONY) کا نام دیا ہے۔

بھٹو نے اقرار کیا ہے کہ "میں صوفی نہیں ہوں لیکن میں شیطان بھی نہیں ہوں۔ جو جنتا مجھے بنانے پر تُلی ہوئی ہے۔" بھٹو کو اس بارے میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ وہ اپنی قوم کی تقدیر ہیں۔ "میں اس لئے پیدا ہوا ہوں کہ قوم کی رہنمائی کروں، ان کی خدمت کروں، اور مشکلات پر قابو پاؤں۔ میں اس لئے پیدا نہیں ہوا کہ پھانسی گھر میں موت کا انتظار کروں، اور ایک۔۔۔ اور غیر احسانمند شخص کے انتقامی جذبے کی بھینٹ چڑھ جاؤں۔"

کتاب بڑی عجلت میں لکھی گئی ہے۔ موت کی کوٹھری میں جہاں کسی قسم کی معقول سہولت نہ ہو۔ اور زندان کے سناٹے میں اعصاب شدید دباؤ کے شکار ہوں، یہ کتاب ایک تاریخی کارنامہ ہے۔

*

ایک مراسلہ

ایک اہم واقعہ، بھٹو کی زندگی کا ایک ورق

پاکستان میں کم و بیش چھ سال تک حکومت کرنے والے مسٹر بھٹو، جو پیپلز پارٹی کے چیئرمین بھی ہیں۔ ان دنوں ۵، جولائی ۱۹۷۷ء کی فوجی کودیتا کے نتیجے میں موت کی کال کوٹھری میں اپنی پھانسی کی سزا کے خلاف قانونی جنگ لڑنے میں مصروف ہیں، بظاہر موجودہ سیاست میں اختلاف رائے ظاہر کرنے والے رہنما بھی بھٹو کے خاتمہ کے "اقدام" میں ان رہنماؤں کے شریک اور ہمنوا ہیں، جو اقتدار سے وابستہ ہیں۔ یہ بات ان کے اس اعصابی خوف کو ظاہر کرتی ہے کہ اگر بھٹو زندہ رہا تو ان کی سیاست کی دکان کبھی نہیں چمکے گی اور ان کے سروں پر دین اور شرافت کی جو جھوٹی پگڑی ایک طاقتور ادارے نے باندھ رکھی ہے، وہ سر بازار کھل جائے گی۔ خوف کی اس بیماری نے ان سے انسانیت اور اخلاق کے وہ اوصاف بھی چھین لئے ہیں جو ان کی شخصیت کردار اور افکار کا لازمہ ہو سکتے ہیں۔ بھٹو کے متعدد سیاسی جرائم ہو سکتے ہیں۔ لیکن بہر حال وہ ایک سیاستدان اور عوام کا منتخب نمائندہ ہے۔ اس سے نمٹنے کا طریقہ کار سیاسی ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کم از کم اسی بنیاد پر سیاسی رہنماؤں کا یہ مطالبہ ہونا چاہیئے تھا کہ اس شخص کو چھوڑا جائے جسے غیر سیاسی لوگوں نے باندھ رکھا ہے، ہم اس سے سیاسی میدان میں نمٹیں گے۔ لیکن ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ اس قسم کا چیلنج کر سکیں، بلکہ وہ اُس چمار کی طرح بھینس کے مرنے کی دعا مانگ رہے ہیں جو روزانہ اس کی دکان کے سامنے سے گذرتی تھی کہ وہ کب مرے گی اور کب اس کی کھال اس کے ہاتھ لگے گی۔

زیرِ نظر مراسلہ پاکستان کی ایک خاتون کا ہے اس میں جس واقعہ کے حوالے سے بھٹو کا ذکر آیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی ایک اچھائی اُن کی متعدد کمزوریوں کی شفاعت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ کاش آنکھوں پر پٹی باندھ کر سیاست بگھارنے والے ہمارے سیاسی رہنماؤں کی آنکھیں اس ایک واقعہ سے کھل جائیں۔

جناب!

اس کالم کے ذریعہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کی توجہ ایک ایسے واقعہ کی جانب مبذول کرانا چاہتی ہوں جس کا تعلق مسٹر بھٹو اور میرے خاندان سے بہت گہرا ہے۔ ڈھاکہ میں مارچ کے دوران فوجی آپریشن سے کچھ پہلے یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ مکتی باہنی کے مسلح جتھوں نے میری اور میرے بچوں کی نگاہوں کے سامنے میرے شوہر کو وحشیانہ طریقہ سے قتل کر دیا۔ ہمارے گھر کو

لوٹ لیا گیا اور بعد ازاں مشتعل ہجوم نے اس گھر کو نذرِ آتش کر دیا۔

میں کوڑی کوڑی کی محتاج، بے سہارا اور خوفزدہ تھی، اور اس تاریک رات کو (مغربی) پاکستان جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اپنے شوہر کے کچھ دوستوں سے مالی امداد حاصل کرنے کے لئے رابطہ قائم کیا، لیکن انہوں نے امداد دینے سے انکار کر دیا۔ میں اکثر اپنے ایک رشتہ دار سے ملنے جاتی تو میرا گذر ڈھاکہ انٹرکانٹی نینٹل کے سامنے سے ہوتا۔ ایک دن پیدل اپنے پانچ بچوں کے ساتھ ادھر سے گذری تو میں نے ایک کار سے مسٹر بھٹو کو اترتے دیکھا۔ ان کے اطراف کچھ لوگ پھیلے ہوئے تھے، میں نے ان لوگوں کو دھکا دے کر ان تک پہنچنے کی کوشش کی، مگر ایک فوجی نے مجھے پکڑ لیا۔ مسٹر بھٹو نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے فوجی افسر سے کہا کہ وہ مجھے آنے دے۔ ان تمام لوگوں کی موجودگی میں لابی میں کھڑے ہو کر میں نے اپنی بپتا انہیں سنا دی۔ میری مشکلات سن کر ان کے چہرے پر غم کے بادل چھا گئے۔ انہوں نے اپنے ایک آدمی سے کہا کہ وہ دودھ اور بسکٹ لے آئے۔ جو میرے بھوکے بچوں کو دیا گیا۔ بعد ازاں مسٹر بھٹو نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی سے کہا کہ وہ ان کے کمرے سے تین ہزار روپے لے کر آئے۔ جب وہ تین ہزار روپے لے کر آیا تو مجھے دیتے ہوئے انہوں نے اس شخص کو ہدایت کی کہ وہ ہمارے ساتھ ایئرپورٹ جائے اور ہمیں مغربی پاکستان پہنچانے کے انتظامات کرے۔

مسٹر بھٹو کی اس انسانیت دوستی کے نتیجے میں، میں یہاں زندہ سلامت اور عزت و عافیت سے ہوں جس کے لئے میں اور میرے بچے، صدر سے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کرتے ہیں۔

مسز بدرالنساء جلیلی

ماسٹر خلیل، مس روبی

مس زرینہ، مس سکینہ، مس زیبا

ہاؤس نمبر ۴۵ سیکٹر ۱۱۔ اورنگی ٹاؤن

قصبہ کالونی، کراچی

دفاتر میں جماعتِ اسلامی کے خفیہ پینل قائم کر دیئے گئے

"ان کے ساتھ ایک یہ تدبیر بھی اشد لازم ہے کہ ہر دفتر یا شعبہ سے دو دو تین تین قابلِ اعتماد (بلحاظ خیالات اور کردار) افراد کا پینل خفیہ طور پر اس بات پر مامور کیا جائے کہ افراد کی بدعنوانیوں اور مجموعی کام کی خرابیوں اور حالات کو درست کرنے کی تجویزوں سے بالائی اتھارٹیز کو آگاہ کرتا رہے"

نعیم صدیقی کا نظریۂ پاکستان کے متعلق اظہار خیال"

اردو ڈائجسٹ - مارچ ۱۹۷۹ء

شاک" کا انجام یاد رکھیے

ظفر قریشی

اس سے قبل عرض کیا تھا اور پھر عرض کریں گے کہ شرم عزت اور عقل یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ فرد کو اسکی استطاعت کے مطابق عطا کرتا ہے واقعات نے ثابت کیا ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمود ان لوگوں میں شامل ہیں جو ان چیزوں کا کم استعمال کرتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اپنی طبیعت کی اس افتاد پر وہ فخر محسوس کرتے ہیں سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ شخص جو عالم دین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے سیاسی رہنما بھی بزعم خود ہے جمہوریت کی بحالی کی تحریکوں میں بھی برا بھلا شامل رہا ہے آج اچانک اس میں ایسی تبدیلی کیونکر آگئی کہ اس کے بزرگوں نے تو مودودی کو اسلام کے لئے خطرہ قرار دیا تھا لیکن ان کا شاگرد اسی مودودی کے برانڈ کا اسلام نافذ کرنے میں معاونت کر رہا ہے وہ اپنی موجودہ حیثیت میں مودودی ہی کا معاون نہیں ہے بلکہ وردی پوشوں کی اس قوت کا بھی معاون ہے جسے ایران میں توڑنے کا مطالبہ ہو رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ جب تک یہ قوت اپنی موجودہ حیثیت میں برقرار رہے گی اس وقت تک ایران صحیح معنوں میں بیرونی تسلط سے آزاد نہ ہوگا تاہم خوشی کی بات ہے کہ وہ

تاریکیوں میں بھٹکتے بھٹکتے بقول مودودی راہ حق پر آگیا ہے ملاحظہ کیجئے مودودی کی تحریر۔

اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ اگر فی الواقعی اسلام کے معیار پر ان کے نظریات مقاصد اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنس کاسد نکلیں گی خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیانِ شرح متین دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریئے اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں۔ دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ دونوں اپنے اصل ہدف کو چھوڑ کر عوام میں جو بالا تیر چلا رہے ہیں ایک گروہ کے دماغ پر ہندو کا ہوا سوار ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ہندو امپیریلزم کے چنگل سے بچ جانے کا نام نجات ہے اور دوسرے گروہ کے سر پر انگریز کا بھوت مسلط ہے اور وہ انگریزی امپیریلزم کے جال سے بچ نکلنے کو نجات سمجھ رہا ہے ان میں سے کسی کی نظر بھی مسلمان کی نظر نہیں۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوئم اسلام کی دعوت صفحہ ۱۲۸

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے چوہدری خلیق الزمان نے اپنی کتاب "مودودیت ایک عذاب" میں لکھا تھا۔

مولانا نے پہلے ایک بیان میں امپیریلزم کے آلہ کو ہٹانے کے خلاف اظہار رائے کیا تھا اور (مذکورہ بالا) بیان میں بھی وہی جذبہ انگریز پرستی کارفرما ہے ورنہ ان کو اس پر کیوں اعتراض ہے کہ ہندو انگریز سے پیچھا چھڑانے کو اپنی نجات سمجھتے ہیں جس طرح

قوم کے توانا جسم کو اکاس بیل کے حوالے کرنے کی کوشش

مسلمان ہندو کے جنگل سے بچ جانے کی کوشش کو اپنی نجات سمجھتے ہیں مولوی صاحب نے بڑی کاریگری سے انگریز حکومت کی تائید کی ہے اور مسلمانوں کو ورغلانے کی کوشش کی ہے کہ وہ ہندوؤں کے جنگل سے بچ جانے کو اپنی نجات نہ سمجھیں نتیجتاً اگر ہندو اور مسلمان دونوں اپنی نجات کے تخیل یا ذرائع سے دستبردار ہو جائیں تو پھر انگریز کی غلامی باقی رہ جاتی ہے اور مولانا کم از کم اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے ہیں جمعیت علماء میں سے بھی کسی ایک کو بھی یہ طریقۂ پاکستان کی مخالفت کا نہ سوجھا میں تو ان مولوی صاحب کی ڈھٹائی کا قائل ہو گیا اسلام کا لبادہ پہنکر وہ اسلامی تحریکات کو کن کن طریقوں سے ناکام بنانے کے لئے روز روز نئے فتنے ایجاد کیا کرتے تھے چونکہ جمعیت العلماء انگریزی راج کی سخت دشمن تھی اس لئے اس بیان میں مولانا نے ان کو بھی جنس کاسد کہہ ڈالا۔

(مودودیت ایک عذاب صفحہ ۴۸، ۴۷)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا مفتی محمود کا جمعیۃ علماء ہند سے تعلق تھا اور اس لحاظ سے وہ بھی انگریزی راج کے دشمن تھے اور اس لئے مودودی کے دشنام کا نشانہ وہ بھی تھے اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ قیام پاکستان کے تیس برس بعد آخر مودودی میں وہ کیا تبدیلی آ گئی کہ انگریز اور انگریزی راج کا یہ دشمن انگریز اور انگریزی راج کے ایک بہت بڑے حامی کا ہم نوالہ و ہم پیالہ ہے اور اپنا دست تعاون ان لوگوں کے لئے بڑھا رکھا ہے جو تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ یا انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ کی آڑ میں مغربی سامراج کے مفادات کے نگران کی حیثیت سے بدنام ہیں۔

اگر حضرت مولانا مفتی محمود یہ کہیں کہ یہ دست تعاون وہ محدود مقاصد کے حصول کے لئے ہے تب بھی بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ ان کے قول و فعل میں زبردست تضاد ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارا تعاون اسلام کے نفاذ کے لئے ہے چلیئے مان لیا۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ قوم کی فلاح آپکے اور مودودی کے خیال کے مطابق اسلام کے (جزوی ہی سہی) نفاذ میں ہے اور قوم میں آپ دونوں کے علاوہ اور کوئی ذی فہم نہیں تو ٹھیک ہے۔ ضرور نافذ کیجئے مگر یاد رکھئے کہ ایوب خان نے اس ملک میں جمہوریت کی جڑیں کاٹی تھیں۔ یحییٰ خان ملک کو توڑ بیٹھا تھا اور بھٹو صاحب نے سوشلزم کا راستہ روکنے کا دعویٰ کیا تھا اب آپ ان لوگوں کے قیام کو دوام بخشنے کے لئے کوشاں ہیں جو محض نوّے دن کی عبوری مدّت کے لئے ریفری بن کر آئے تھے ہم یہ نہیں کہیں گے کہ آپ بھی اپنی کوششوں میں ناکام ہوں گے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے۔ خوف ہے تو اس بات کا جب لاد چلے گا بنجارہ۔

اور ایسی صورت میں مولانا نعیم صدیقی، کہ جماعت اسلامی کے پالیسی سازوں میں ان کا شمار ہوتا ہے کی مودودیت کے نفاذ کی تمام کوششیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ وہ ہر دفتر یا شعبے میں دو تین قابل اعتماد افراد (جو یقیناً متفقین میں سے ہوں گے) کو عام لوگوں کی جاسوسی کے لئے تعینات کرنا چاہتے ہیں۔ ضرور کریں۔ سات کروڑ کی آبادی کے اس ملک کے ہر فرد کی فائلیں تیار کرالیں لیکن انہیں بھولنا نہیں چاہیئے کہ ایران نے اپنی تیل کی دولت کے وسائل کی بنیاد پر اپنا محکمۂ سراغ رسانی "ساواک" قائم کیا تھا جو بعض معاملات میں امریکی سی آئی اے سے زیادہ فعال اور باصلاحیت سمجھا جاتا تھا لیکن عوام کا سیلاب اسے بھی بہالے گیا اب کہاں ہیں وہ "فدوی" جو افراد کی بدعنوانیوں اور مجموعی کام کی خرابیوں اور حالات کو درست کرنے کی تجویزوں سے بالائی اتھارٹیز کو آگاہ کرتے تھے؟ مولانا نعیم صدیقی کو اس قسم کی تجویز پیش کرنے سے قبل ان کے حشر سے ہی سبق سیکھنا چاہیئے تھا انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ لوگوں کی محدود تعداد کو تھوڑے وقت تو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے مگر بہت سے لوگوں کو لامحدود مدت تک بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا جب وقت کا دھارا پلٹتا ہے تو بڑے بڑے سورما اس میں بہہ جاتے ہیں اس لئے عاقبت اندیش رہنمایان قوم اصولوں کی بات کرتے ہیں۔ اصولوں پر ڈٹ جاتے ہیں اور اپنی اصول پرستی کی بنیاد پر ہمیشہ زندہ رہتے ہیں آج ہو سکتا ہے کہ ایوان اقتدار میں بیٹھ کر انہیں ہری ہری سوجھ رہی ہو اور محمد رضا پہلوی بہت چھوٹی چیز نظر آ رہے ہوں لیکن کل ان کا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے محمد رضا پہلوی نے مسلمان کی آخری پناہ مذہب کی آڑ نہیں لی تھی وہ اپنا سلسلہ داریوش اعظم سے ملاتا تھا مولانا نعیم صدیقی اور ان کی قبیل کے بزرگ دین کی آڑ میں نہایت خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں جس کی لپیٹ میں وہ علماء بھی آ سکتے ہیں جو ان کی موجودہ سیاست سے متفق نہیں اور جو دین اور موجودہ دور کی سیاست کو باہم غلط ملط کرنے کے رویّے کے مخالف ہیں۔ مختلف تجربات کی روشنی میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مولانا نعیم صدیقی کے پیش کردہ نظریئے کے مطابق مختلف دفاتر میں آزمائشی طور پر خیالات و کردار کے اعتبار سے جماعت اسلامی کے دو تین قابلِ اعتماد افراد کے پینل خفیہ طور پر مقرّر کیئے جا چکے ہیں یہ پینل اپنا کام بھی کر رہے ہیں ابھی سے ان دفاتر میں کام کرنے والے کارپردازوں کی نظروں میں بھی آ گئے ہیں (مثلاً بینکاری کے شعبہ میں) اور کوئی بھی انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتا جب تک جماعت اسلامی برسرِ اقتدار ہے لوگ ان سے خوف زدہ رہیں گے اور جماعت کے اقتدار سے علیٰحدہ ہونے کی صورت میں کون ان کی ضمانت دے سکتا ہے؟ مولانا نعیم صدیقی "فدوی" قسم کے ان افراد پر مشتمل پینلوں کو لاکھ خفیہ رکھیں بات کھل ہی جاتی ہے۔ کہ دین کی آڑ میں اکثریتی صوبے کی نوکرشاہی کو مسلط رکھنے کی سازش کس قسم کے عناصر کی مرہونِ منت ہے اور وہ مسلم سوسائٹی جس میں قائم ہر ادارے کو 'اسلامی' بنانے یا مشرف بہ اسلام کرنے کے رجحان کا تمسخر خود مودودی نے اڑایا تھا اور کہا تھا۔

"یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوّے، گدھ، تیتر، بٹیر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک چڑیا ہے پھر لطف یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام سے انحراف کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا نظریہ اب یہ ہو گیا ہے کہ مسلمان جو کچھ بھی کرے وہ اسلامی ہے حتیٰ کہ اگر وہ اسلام سے بغاوت بھی کرے تو اسلامی بغاوت ہے یہ بینک کھولیں تو اس کا نام اسلامی بینک ہو گا یہ انشورنس کمپنی قائم کریں تو وہ اسلامی انشورنس کمپنی ہو گی، جاہلیت کی تعلیم کا ادارہ کھولیں تو وہ مسلم یونیورسٹی ہو گی، اسلامی کالج اسلامیہ اسکول ہو گا ان کی کافرانہ ریاست کو اسلامیہ ریاست کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۳۲ بعنوان تحریک اسلامی کا تنزّل)

اب اسی مسلم سوسائٹی میں اسی جماعت اسلامی کے پالیسی سازوں اور چور دروازے سے اقتدار میں شامل ہونے والے منیروں کے بیانات پڑھیئے سنیئے سر دھنیئے دیکھیئے کہ عام انتخابات کے انعقاد کے دوسرے مقصد کو اقتدار میں چور دروازے سے شمولیت کا پہلا مقصد نظام اسلام کا جزوی نفاذ تھا) موخر کرنے اور اکاس بیل کو قوم کا تندرست اور توانا جسم مستقل طور پر حوالے کرنے کی یہ کوششیں کس حد تک کامیاب ہوتی ہیں۔

ماضی کے واقعات
دہرائے گئے تو
شاید بس جاچکی ہوگی

نمائندہ خصوصی

دل کی صفائی اور چیر پھاڑ بھی
میرے نظریات میں کوئی تبدیلی نہ لاسکی — مینگل

بالآخر سردار عطاء اللہ مینگل این ڈی پی میں شامل ہو گئے۔ این ڈی پی کو ان کی "دعاگوئی" تو پہلے ہی حاصل تھی اکتوبر ۱۹۷۷ء کے ملتوی شدہ الیکشن کے لئے این ڈی پی نے ان کے مشورے سے بلوچستان میں ٹکٹ تقسیم کئے تھے۔ اور اسی سلسلے میں مینگل ہاؤس کراچی میں طویل مذاکرات ہوتے تھے سردار مینگل علاج کی غرض سے امریکہ جاتے ہوئے بھی اپنے ساتھیوں کو این ڈی پی میں شمولیت کا مشورہ دے گئے تھے اور امریکہ سے واپسی کے بعد بھی اپنی نجی محفلوں میں احباب کو یہی مشورہ دیتے تھے لیکن خود شمولیت کرنے سے گریزاں تھے۔ وجہ یہ نہیں کہ وہ این ڈی پی کو اپنے لئے نامناسب سمجھتے تھے بلکہ ان کی کوشش تھی کہ وہ کالعدم نیپ کے تمام بلوچ رہنماؤں خصوصاً نواب خیر بخش مری کے ہمراہ این ڈی پی میں شامل ہوں تاکہ بلوچ لیڈروں کے باہمی اتفاق اور اتحاد کا تاثر برقرار رہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے متعدد کوششیں کیں ملاقاتیں کیں۔ مذاکرات کئے۔ اور آخری کوشش یہ تھی کہ ۱۵ فروری ۱۹۷۹ء کو کالعدم نیپ کے رہنماؤں کا اجلاس بلوایا۔

یہ اجلاس دو روز تک جاری رہا۔ مندوبین نے ان چار نکات پر غور کیا۔

۱: کوئی نئی سیاسی جماعت بنائی جائے۔
۲: این ڈی پی میں شمولیت اختیار کی جائے۔
۳: موجودہ سیاسی جماعتوں میں سے کسی ایک میں شامل ہوا جائے۔
۴: آزاد رہا جائے۔

اجلاس نے نکات نمبر ۳ اور نمبر ۴ کو ناقابلِ غور قرار دے کر مسترد کر دیا۔ صرف نکات ۱ اور ۲ پر بحث ہوئی لیکن طویل بحث و مباحثے کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ چنانچہ شہزادہ عبدالکریم، نواب خیر بخش مری اور سردار عطاء اللہ مینگل پر مشتمل ایک سہ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی اور اسے اختیار دیا گیا کہ وہ جو فیصلہ کرے گی، کالعدم نیپ کے رہنماؤں کو منظور ہوگا۔

۴ مارچ ۱۹۷۹ء کو سردار مینگل نے مزاری ہاؤس کراچی میں این ڈی پی میں شمولیت اختیار کرتے وقت پریس کانفرنس میں جو تحریری بیان تقسیم کیا اس میں کہا گیا تھا کہ "مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے اور شہزادہ عبدالکریم کی کوششوں کے باوجود ہم اس سہ رکنی کمیٹی کا اجلاس تک نہ بلا سکے تاکہ ان دو نکات کے بارے میں کوئی فیصلہ ہو سکے"۔ لیکن ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ "مری صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکی البتہ انہیں تحریری تجاویز بھیج دی گئی تھیں"۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ شہزادہ کریم ایک شام تجاویز لے کر نواب مری کی رہائش گاہ پر گئے تھے۔ جن میں نئی سیاسی جماعت کے منشور کے خاکے کے ساتھ ساتھ این ڈی پی کے منشور میں ترمیم کرنے کی تجاویز بھی شامل تھیں۔ لیکن نواب مری نے ان تجاویز کو پڑھا تک نہیں کیونکہ انہیں کالعدم نیپ کا اجلاس بلوانے اور پھر سہ رکنی کمیٹی تشکیل دینے پر ہی اعتراض تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر آپ لوگ صرف بلوچستان کی سطح پر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اجلاس میں صرف کالعدم نیپ کے ارکان کو نہیں بلوانا چاہیے تھا۔ کیونکہ بلوچستان میں اور بھی سیاسی طاقتیں اور گروپ ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر

میں پوچھتا ہوں ۱۹۷۳ کا آئین کہاں ہے؟

پاکستان کی سطح پر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو ملک میں اور بھی گروپ موجود ہیں۔ جو نظریاتی طور پر ہمارے قریبی ہیں، چنانچہ انہیں بھی اعتماد میں لیا جائے۔ اور ان کے مشورے سے کوئی فیصلہ کیا جائے۔

اس دو ٹوک جواب کے بعد سہ رکنی کمیٹی کی تشکیل کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ چنانچہ سردار مینگل اپنی آخری کوشش میں ناکام ہونے کے بعد این ڈی میں شامل ہو گئے۔ رہ گئے پرنس کریم اور ان کے ساتھی جن میں زمرد حسین اور امتیاز حسین حنفی شامل ہیں این ڈی پی کی قیادت خصوصاً سردار مزاری پر آمرانہ اور غیر جمہوری طریقے اختیار کرنے کے الزامات لگا کر ایک مرتبہ علیحدگی اختیار کر چکے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ اگر نواب مری این ڈی پی میں شامل ہو جاتے ہیں تو شاید ولی خان اور سردار مزاری اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے، اور اب جب کہ نواب مری نے این ڈی پی میں شامل ہونے سے تقریباً انکار کر دیا ہے تو پرنس کریم اور ان کے ساتھیوں کی بھی شمولیت کا کوئی امکان نہیں۔

عابد زبیری

سردار مینگل نے کہا کہ سہ رکنی کمیٹی ختم ہو چکی ہے اور میں ایک جوڑے کپڑوں کے ساتھ این ڈی پی میں شامل ہو رہا ہوں۔" انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ اور بلوچ لیڈر این ڈی پی کے منشور کے بعض نکات سے اختلاف رکھتے ہیں۔" بلوچستان کے لیڈروں کا این ڈی پی میں ایک جتھے کی شکل میں شامل نہ ہونا، بلکہ فرداً فرداً شمولیت اختیار کرنا اس چیز کی دلیل ہے کہ انہیں این ڈی پی سے بعض امور پر اختلاف ہے۔" سردار مینگل نے کہا کہ وہ ترامیم کی تجاویز پارٹی میں پیش کریں گے۔ لیکن انہوں نے یہ بتلانے سے انکار کر دیا کہ انہیں کن باتوں پر اختلاف ہے۔ "میں

پارٹی میں شامل ہو چکا ہوں اور شمولیت کے بعد رکن کا دائرہ اختیار محدود ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی پارٹی میں اختلافات چار دیواری میں رکھے جاتے ہیں۔ منظرِ عام پر نہیں لائے جاتے۔" سردار مینگل نے کہا۔

ایک اخبار نویس نے سوال کیا کہ "کالعدم نیپ سیکولرازم کی حامی تھی لیکن این ڈی پی نہیں ہے۔۔۔؟" اخبار نویس نے سوال مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ میر غوث بخش بزنجو نے لقمہ دیا۔ "این ڈی پی سیکولر جماعت ہے"۔ سردار مینگل نے میر بزنجو سے کہا کہ "سوال مجھ سے کیا گیا ہے، میں ہی جواب دوں گا آپ درمیان میں نہ بولیں۔" انہوں نے کہا کہ سیکولرازم کی اصطلاح کو ہمارے ملک میں بہت وسعت دے دی گئی۔ اس کی تشریح لادینیت سے غیر فرقہ وارانہ تک کی جاتی ہے۔" میرے نزدیک سیکولرازم سے مراد یہ ہے کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے۔ سیاست میں تھیوکریسی نہ ہو۔ تھیوکریسی ملک، وقت اور معاشرے کے لئے مناسب نہیں، میرے نظریات وہی ہیں جو پہلے تھے، چار سال کی قید و بند، دل کی صفائی اور چیر پھاڑ (سردار مینگل کے دل کا آپریشن امریکہ میں ۱۹۷۷ء میں ہوا تھا) بھی میرے نظریات میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکی۔" لیکن انہوں نے اصل سوال گول کر دیا کہ وہ این ڈی پی کو سیکولر جماعت سمجھتے ہیں یا نہیں؟ شاید وہ انکار یا اقرار کی پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ سردار مزاری بار بار دبی دبی آواز میں بلوچی میں ان سے کچھ کہہ رہے تھے۔

سردار مینگل نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ انہوں نے این ڈی پی میں شمولیت سے قبل طلبا تنظیم (بی ایس او جو ایک زمانے میں کالعدم نیپ کی اسٹوڈنٹس ونگ سمجھی جاتی تھی) سے نہ تو رابطہ کیا اور نہ مشورہ کیا کیونکہ وہ طلبا پر اپنا حکم مسلط کرنا نہیں چاہتے تھے۔" بلوچستان میں

نوجوان نسل نے گذشتہ چند برسوں میں اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا، اس سے ان کے نظریات بدل گئے ہیں۔ اور نوجوان نسل کی انتہا پسندی کو بلا جواز نہیں کہا جا سکتا، وہ جواز رکھتے ہیں۔ نواب مری بھی اتنے دکھی ہیں کہ وہ خود کو موجودہ سیاست میں "مس فٹ" سمجھتے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اعتماد جو ختم ہو چکا ہے، بحال کیا جائے۔ لیکن یہ اعتماد اسی صورت میں بحال ہو سکتا ہے جب حکام عملی طور پر اس امر کا ثبوت دیں۔ بھائی چارے کا ماحول پیدا کرنے کی یہ ہماری کوشش ہے اگر ماضی کے واقعات کو دہرایا گیا۔ تو شاید "بس" جا چکی ہو گی اور جتنا نقصان اس ملک کو ہو سکتا ہے، پہنچ چکا ہو گا۔" سردار مینگل نے کہا کہ صوبائی خود مختاری جو بھی طے کی جائے۔ اس پر عمل درآمد کیا جائے۔ اصل ضرورت اعتماد کی بحالی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں دی گئی صوبائی خود مختاری کو کم سمجھتے تھے لیکن پارٹی (کالعدم نیپ) کا خیال تھا کہ قومی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے۔" پارٹی کی ہدایت پر میں نے اسے تسلیم کیا اور اگر یہ کوئی جرم تھا تو میں اس جرم کا اعتراف کرتا ہوں۔"

سردار مینگل نے نام لئے بغیر ان سیاسی جماعتوں پر کڑی تنقید کی جو کہتی ہیں کہ صوبائی خود مختاری کا مسئلہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں طے ہو چکا ہے۔ اس لئے اس مسئلے کو نہ چھیڑا جائے۔ انہوں نے کہا۔" یہ وہی لوگ ہیں جو پہلے

۱۹۵۶ء کے دستور کی تعریف کرتے تھے۔ اور اب انہیں ۱۹۷۳ء کے پورے آئین میں سے صرف صوبائی خودمختاری والی شق پسند ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ۱۹۷۳ء کا آئین کہاں ہے۔ کسی کی لاش پہ کھڑے ہو کر اُس کی زندگی کی دعا نہیں کی جاتی۔ عملی طور پر آئین توڑا جا چکا ہے۔ اگر توڑا نہیں جا چکا تو کم از کم یہ تو اعتراف کر ہی چکے ہیں کہ آئین معطل کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آئین کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے ۱۹۷۳ء کے آئین میں دو دفعات بنیادی تھیں کہ آئین کو توڑنا سنگین غداری ہوگی اور دوم یہ کہ مارشل لاء نافذ نہیں کیا جا سکتا۔" انہوں نے بتایا کہ وہ پہلے معزول وزیراعظم کو صرف بھٹو کے نام سے یاد کرتے تھے لیکن اب بھٹو صاحب کہتے ہیں کیونکہ وہ جیل میں ہیں، سردار مینگل نے کہا" بھٹو صاحب کے زمانے میں بھی صوبائی خودمختاری نہیں تھی اور اب بھی نہیں ہے۔ جنرل کو جنرل پر اعتماد ہونا چاہیئے۔ کور کمانڈر کی فوج میں بڑی اہمیت ہوتی ہے لیکن حالت یہ ہے کہ یہ لوگ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور گورنر ہونے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتے، ہر اقدام مرکز سے پوچھنے کے بعد کرتے ہیں۔ ۳۰ سال سے عوام نے اس ملک میں بہت کچھ دیکھا ہے۔ اب انہیں باتوں سے بہلایا نہیں جا سکتا۔"

اس سوال ــ کہ صوبائی خودمختاری کی حدود کیا ہونی چاہئیں ہ کے جواب میں سردار مینگل نے کہا" بات صوبائی خودمختاری کی حدود کی نہیں بلکہ اس ضمانت کی ہے کہ جو کچھ فیصلہ کیا جائے گا اس پر عمل درآمد ہوگا۔" انہوں نے کہا" ستم ظریفی یہ ہے کہ پنجاب کی قیادت سول اور ملٹری بیوروکریسی کے ہاتھوں میں ہے۔ سیاست دان سے تو بات کی جا سکتی ہے۔ سول اور ملٹری بیوروکریسی سے کیسے بات کریں۔ انہیں کون سے ملک کے مسائل حل کرنے ہیں' انہیں تو نوکری کرنی ہے۔ لیاقت علی کے قتل کے بعد اقتدار سول اور ملٹری بیوروکریسی کے پاس منتقل ہوا۔ بیوروکریسی نے ملک کو توڑا، بیوروکریٹ اعلانیہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں بنگال کی ضرورت نہیں' ایوب خان' یحییٰ خان اور ان کے مشیر ایم ایم احمد بھی یہی کہا کرتے تھے۔ بیوروکریسی صرف کھانا جانتی ہے اور اس کا کردار منفی ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ پنجاب کے عام آدمی کو احساس دلائیں کہ حضور اگر آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہ ملک رہے تو جن کے گلوں میں پٹہ باندھا ہے انہیں سنبھالو، اور اپنی سیاسی قیادت سامنے لاؤ جس سے ہم بات کر سکیں۔ ہم پنجاب کے عام آدمی پر یہ بھی واضح کر دیں گے کہ ہم اپنے حقوق سے دستبردار نہیں ہوں گے جدوجہد کرتے رہیں گے۔ ۳۰ سال کی کشمکش سے رسّی بہت کمزور ہو چکی ہے۔ اب ذرا زیادہ کھینچاؤ پیدا ہوا تو رسّی ٹوٹ جائے گی اور فائدہ کسی کا نہیں ہوگا۔ الٹا نقصان ہوگا۔ اور دونوں کو ان کے گناہوں کے مطابق سزا ملے گی۔"

ایک اخبار نویس نے کہا کہ ۱۹۷۰ء میں پنجاب نے مسٹر بھٹو کو اپنا قائد تسلیم کیا تھا۔ آپ نے اُن سے بات کیوں نہیں کی؟" سردار مینگل نے کہا بھٹو صاحب بیوروکریسی کے "ٹریپ" میں آ گئے تھے اور انہیں اس وقت احساس ہوا جب کھیل ختم ہو چکا تھا۔

سردار عطاء اللہ مینگل نے کہا" بھٹو کے گلے میں پھندا بلوچستان' سندھ اور سرحد نے نہیں ڈالا۔ پنجاب کی سول اور ملٹری بیوروکریسی نے ڈالا ہے۔ میں پنجاب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ تین صوبوں' بلوچستان' سندھ اور سرحد ایک مضبوط چٹان کی طرح متحد ہیں۔ اور یہ اپنے حقوق سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

فوج کے آئینی کردار کے بارے میں انہوں نے کہا کہ "دنیا کے ہر ملک کے آئین میں مسلح افواج کا کردار یہی مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ منتخب اور آئینی حکومت کا ہر آئینی حکم بجا لائے۔ اس کے علاوہ فوج کا کوئی آئینی کردار نہیں' کوئی شریف آدمی، کوئی جمہوریت پسند مارشل لاء کو پسند نہیں کرتا۔ دنیا میں جہاں کہیں مارشل لاء لگایا جائے' نفاذ کا اعلان کرتے ہوئے خود مارشل لاء لگانے والے افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ فخر کوئی نہیں کرتا۔"

یہ تھی سردار عطاء اللہ مینگل کی پریس کانفرنس' اب آئیے لگے ہاتھوں این ڈی پی میں ہونے والی گروہی کشمکش کا بھی ذکر ہو جائے۔

اس وقت این ڈی پی میں دائیں اور بائیں بازو کے مابین رسہ کشی ہو رہی ہے۔ اور دونوں کی کوشش ہے کہ وہ پارٹی کو اپنے نظریات کے مطابق چلائیں۔ ۳۰ اپریل کو پشاور میں پارٹی کا کنونشن ہونے والا ہے۔ اس میں امکان ہے کہ چند دستوری ترمیم بھی پیش کی جائیں۔ ہر گروپ نے اپنی تجاویز مرتب کر لی ہیں۔

این ڈی پی میں دائیں بازو کی قیادت ولی خان' مزاری اور بیگم ولی خان کر رہے ہیں جب کہ بائیں بازو کے قائد میر غوث بخش بزنجو ہیں۔ سندھ کمیٹی کی اکثریت بزنجو صاحب کے ساتھ ہے اور سردار مینگل کی این ڈی پی میں شمولیت سے بزنجو صاحب کی پوزیشن بہت مضبوط ہو گئی ہے۔ بلکہ امکان اس امر کا ہے کہ اب بزنجو گروپ کی پالیسی میں شدت آ جائے گی۔

ولی مزاری گروپ بزنجو گروپ پر الزام لگاتا ہے کہ یہ سوشلسٹ، کمیونسٹ اور انتہا پسند ہیں جنہوں نے مارشل لاء انتظامیہ سے تصادم کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے ان لوگوں نے پی این اے پر نکتہ چینی کی اور اُس سے علیحدگی اختیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا' یہ قومیتوں کا پرچار کرتے ہیں۔ افغانستان کی انقلابی حکومت کی حمایت کرتے ہیں اور تره کی کی حمایت کر کے پٹھانوں میں اختلافات پیدا کرنا

فصیح سالار

چاہتے ہیں۔ اور میر غوث بخش بزنجو کی شخصیت کو نمایاں کرنے میں مصروف ہیں۔

جب کہ ولی مزاری گروپ کا جھکاؤ مارشل لاء انتظامیہ کی طرف ہے۔ اس کی پالیسی ہے کہ فوجی حکومت سے بنا کر رکھی جائے۔ بس کبھی کبھار کسی معمولی واقعے پر اختلاف کر کے خود کو اپوزیشن میں ظاہر کیا جائے۔ ولی خان اور سردار مزاری اپنے قریبی ساتھیوں کی محفل میں برملا کہتے ہیں کہ فوجی حکومت جو کچھ کر رہی ہے' ٹھیک کر رہی ہے' قریبی ذرائع کا کہنا ہے کہ ولی خان کے نظریات میں بڑی تبدیلیاں

آچکی ہیں۔ پہلے وہ قومیتوں اور سیکولرازم کی بات کرتے تھے لیکن اب وہ دونوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قومیتوں کا نعرہ بیکار ہے۔ یہ مسئلہ چین اور سودیت یونین میں بھی حل نہیں ہوسکا ہم کیسے حل کرسکتے ہیں۔ اور سیکولرازم بھی فضول چیز ہے۔ ولی خان افغانستان کی تره کی حکومت کے بدترین مخالف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سردار داؤد اور ولی خان ہم قبیلہ (محمد زئی) تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ولی خان نے کہا کہ تره کی پر ہمارا خون قرض ہے۔

گذشتہ دنوں دونوں گروپوں کے اختلافات کھل کر سامنے آگئے۔ این ڈی پی کی سندھ آرگنائزنگ کمیٹی نے گذشتہ ماہ دستور کے مطابق نو افراد پر مشتمل ایک الیکشن بورڈ تشکیل دیا جس پر نہ صرف سردار مزاری بلکہ ان کے دستِ راست عابد زبیری اور ان کے ساتھیوں نے بھی اعتراض کیا۔ انہوں نے الیکشن بورڈ کے افراد پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "یہ انتہا پسندوں اور کمیونسٹوں کا گٹھ جوڑ ہے" چنانچہ ڈوریاں ہلنی شروع ہوگئیں۔ ۳ مارچ کو مزاری ہاؤس میں ایک مخصوص میٹنگ طلب کی گئی جس میں یوسف مستی خان، فصیح سالار، مبشر قیصرانی، شاہ محمد شاہ اور قمر باجیٹر کو سخت برا بھلا کہا گیا۔ کڑی نکتہ چینی کی گئی۔ سردار مزاری نے اپنی تقریر میں ان لوگوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ "ان لوگوں کی وجہ سے پارٹی نفیس صدیقی جیسے بہترین اور مخلص دوست اور اسلم احمد جیسی سرگرم کارکن سے محروم ہوگئی۔ ان لوگوں نے عابد زبیری کو ٹکٹ دینے کی مخالفت کی۔ ان سے بہتر تو نواز بٹ اور ان کے ساتھی تھے جو اختلاف کی وجہ سے پارٹی سے چلے گئے۔ یہ اختلاف بھی کرتے ہیں اور پارٹی بھی نہیں چھوڑتے، یہ تو ہماری جڑوں میں بیٹھ گئے ہیں"۔

سردار مزاری نے عبدالحمید جتوئی کو ہدایت کی کہ وہ ۹ مارچ کو مشہدی ہاؤس میں کارکنوں کا اجلاس بلوائیں اور کارکنوں کی شکایات جمہوری طریقے سے حل کریں۔

چنانچہ حمید جتوئی کی ہدایت پر یوسف مستی خان نے اعلان کیا کہ اجلاس ۹ مارچ کو صبح گیارہ بجے ہوگا لیکن ۸ مارچ کو عابد زبیری کے مشورے پر مزاری ہاؤس میں ایک پریس ریلیز تیار کی گئی جس میں کہا گیا کہ اجلاس تین بجے ہوگا اور اس میں سندھ کمیٹی کے منشور میں تبدیلیاں لانے کے لئے غور کیا جائے گا۔ اور اس اجلاس میں سردار مزاری بھی شرکت کریں گے۔ حالانکہ پہلے جتوئی صاحب سے طے ہوا تھا کہ مزاری اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے جب یوسف

یوسف مستی خان

مستی خان کو اس صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے حمید جتوئی سے رابطہ قائم کیا۔ اور ہونے والی سازش کی بروقت نشاندہی کی۔ جتوئی صاحب نے کہا کہ اس جلسے میں نہ تو سندھ آرگنائزنگ کمیٹی کے فیصلے کو چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ منشور میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

الغرض کشمکش کی اس فضا میں ۱۱ بجے اجلاس شروع ہوا جس میں تقریباً چار سو کارکنوں نے جن میں مختلف وارڈوں کے صدور اور عہدیدار شامل تھے شرکت کی۔ سب سے پہلے کارکنوں نے اُس روز اخبارات میں شائع ہونے والی خبر کی وضاحت چاہی جس میں جلسے کے انعقاد کا وقت تین بجے بتایا گیا تھا۔ کارکنوں نے دریافت کیا کہ یہ خبر کس نے شائع کرائی۔ اس کے بعد تنظیمی مسائل اور شکایات بیان کئے گئے۔ جتوئی صاحب نے جوابات دیئے۔ اجلاس جاری تھا کہ نماز کا وقت ہوگیا چنانچہ نماز کے لئے اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔

جب نماز کا وقفہ ختم ہوا۔ تو کارکنوں نے حیرت سے دیکھا کہ سوزوکیوں میں لوگوں کو بھر کر لایا جا رہا ہے اور وہ جس کمرے میں اجلاس ہو رہا تھا، بلا روک ٹوک آ رہے ہیں۔ اسی اثنا میں تین بج گئے۔ مزاری کے ایک ہمنوا نے اعلان کیا کہ جلسہ سردار مزاری کی آمد پر شروع ہوگا فون کر کے انہیں اطلاع دی گئی۔ "سردار آجایئے لوگ آپ کے منتظر ہیں"۔ مزاری صاحب بڑے کروفر سے جلسہ گاہ میں داخل ہوئے، دائیں بائیں ان کے مصاحب تھے، اسٹیج سکریٹری نے نئے آنے والوں میں سے ایک شخص کو اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی۔ اس نے اپنی تقریر میں سندھ آرگنائزنگ کمیٹی کا منتخب کردہ الیکشن بورڈ پر نکتہ چینی کی اور مطالبہ کیا کہ بورڈ توڑ دیا جائے۔ اس پر عبدالحمید جتوئی نے کہا کہ تقریریں نہ کی جائیں صرف تجاویز پیش کریں اور سندھ کمیٹی کے کسی فیصلے کو چیلنج نہ کیا جائے۔ اس پر سردار مزاری نے کہا "جتوئی صاحب یہ جمہوری طریقہ نہیں ہے لوگوں کو بولنے دیں"۔ کچھ کارکنوں نے سندھ کمیٹی کے فیصلے کی حمایت کی اور الیکشن بورڈ پر اعتماد کا اظہار کیا۔ ایک کارکن نے کہا کہ "ہمارے لیڈر اپنے مفادات کے لئے کارکنوں کو لڑا رہے ہیں"۔ اس پر حاجی شیر خان، جن کی رکنیت سندھ کمیٹی نے ختم کر دی تھی، مزاری کے اشارے پر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ وہ پارٹی کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اور منشور سے ایسی تمام دفعات نکال دینا چاہتے ہیں جن کا سہارا لے کر کمیونسٹ پارٹی میں انتشار پھیلا رہے ہیں اور قومیتوں کا پرچار کر رہے ہیں۔ اس پر ایک کارکن نے پوچھا کہ آپ نے منشور پڑھا ہے؟ پھر کیا تھا۔ حاجی شیر خان کو غصہ آگیا۔ اور اُدھر سوزوکیوں پر آتے ہوئے لوگوں نے اشارہ پاتے ہی نعرہ لگایا "عابد زبیری زندہ باد، حاجی شیر خان زندہ باد" جوابی نعرہ لگا "امریکی سامراج مردہ باد، سامراجی دلال مردہ باد" پھر ان نعروں میں شدت آتی گئی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ابھی جھگڑا ہوا، ابھی ہوا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر جتوئی صاحب نے سردار مزاری سے پوچھا "جھگڑا ہونے والا ہے کیا اجلاس ملتوی کر دیا جائے؟" مزاری صاحب نے کہا "نہیں اجلاس جاری رہے گا"۔ لیکن نعروں میں اتنی شدت آگئی تھی کہ جتوئی صاحب نے مزاری کی مخالفت کے باوجود اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔

*
*
*

ایک اور ناگزیر کتاب

افغانستان میں انقلاب کے بعد

مجاہد بریلوی نے کیا دیکھا

بک سٹال پر دستیاب ہے

طلوعِ خم کے اس طرف

انقلاب اپریل کے پس منظر اور افغانستان کے سیاسی مستقبل پر ایک اہم تصنیف

پیش لفظ: سید سبطِ حسن

نیشنل فورم پوسٹ بکس نمبر ۳۱۹۶ کراچی ۲۹

"ایشیا کا چی"

K.B.

بالاچ گورگیج

بدلتے ہوئے حالات میں نواب خیر بخش مری بلوچستان کی اہم ترین سیاسی اور نظریاتی شخصیت کے طور پر ابھرے ہیں۔ وہ ان چار بلوچ رہنماؤں میں سے ایک ہیں جنہوں نے بلاشبہ بلوچستان کو نہ صرف پاکستان کے اندر بلکہ بیرون ملک بھی لازوال شہرت سے ہمکنار اور بلوچ تشخص کو اجاگر کیا نواب مری کو پہلی مرتبہ اس وقت شہرت حاصل ہوئی جب کوئٹہ کی پشتون آبادی کو ایوب حکومت نے پینے کے پانی کی فراہمی روک دی۔ اس اقدام کے خلاف جو عوامی احتجاج ہوا مری نے اس کی قیادت کی اور اس کی پاداش میں کچھ دن کے لئے جیل بھیج دیئے گئے یہ ان کی زندگی کی پہلی جیل تھی دوسری مرتبہ ۱۵ اگست ۱۹۷۳ء کو بھٹو دور میں انھیں گرفتار کیا گیا اور موجودہ حکومت نے ۴ جنوری ۱۹۷۸ء کو دیگر ساتھیوں کے ساتھ رہا کر دیا۔

نواب مری نے عملی سیاست کا آغاز متحدہ نیشنل عوامی پارٹی کے پلیٹ فارم سے کیا اور بلوچستان میں اس کے پہلے آرگنائزر مقرر ہوئے۔ پہلے ۱۹۶۲ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۷۰ء میں بالترتیب مغربی پاکستان اسمبلی قومی اور بلوچستان اسمبلی کے بیک وقت رکن منتخب ہوئے بعد میں قومی اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو کر صرف صوبائی اسمبلی کے رکن رہنے پر اکتفا کیا۔ نواب مری قومی اسمبلی کے ان چار ارکان میں سے ایک ہیں جنہوں ۱۹۷۳ء کے آئین پر دستخط نہیں کئے اور کہا کہ اس میں دی گئی صوبائی خود مختاری قطعی ناکافی ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۷۳ء سے قبل جب مری اور ان کے ساتھی بزنجو اور مینگل گرفتار نہیں ہوئے تھے ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا تھا کہ ان رہنماؤں میں کوئی سیاسی اختلاف ہے۔ مگر جیل میں ان رہنماؤں کی سیاسی و نظریاتی سوچ میں فرق پختہ ہو گیا۔ ۵ جنوری ۱۹۷۸ء کو جب نواب مری اور میر بزنجو کوئٹہ آئے تو دونوں کی راہیں الگ ہو گئیں ایک بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے جلوس کے ساتھ جناح روڈ اور دوسرا این ڈی پی کے کچھ رہنماؤں کے جلوس میں مینگل ہاؤس چلا گیا اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک قوم پرست معمر بلوچ نے کہا کہ اب شاید ان کی راہیں ہمیشہ کے لئے الگ ہو جائیں۔ اسی روز بلوچ نوجوانوں نے بلوچ عوام کو ایک نیا نعرہ دیا وہ یہ تھا۔

ایشیا میں ایک ہی چی (چی گویرا)

کے بی۔ کے جی (خیر بخش کا مخفف)

جناح روڈ پر بی ایس او کے نوجوانوں سے نواب مری نے اپنے مختصر خطاب میں کہا کہ پورے خطے میں کچھ نئے تضادات پیدا ہو گئے ہیں جن کے باعث بلوچوں کو شاید ایک نئی حکمت عملی اختیار کرنی پڑے آج ایک سال ایک ماہ بعد اس خطے کے تمام تضادات واضح طور پر سامنے آ گئے ہیں جو نواب مری کی سیاسی بصیرت کے واضح ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ حیدر آباد جیل سے رہائی پانے کے بعد نواب مری نے ایک طرح سے سیاسی گوشہ نشینی اختیار کی مگر بی ایس او کے نوجوانوں سے رابطہ جاری رکھا۔ فروری میں صدر جنرل ضیاء الحق جب سبی آئے تو تینوں رہنماؤں نے ان سے ملاقات کی اس ملاقات کی روداد بڑی طویل ہے بتایا جاتا ہے کہ کچھ روز قبل غوث بخش بزنجو نے جنرل صاحب سے ملاقات کی تھی اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ اصل سیاسی قوت کے مالک وہی ہیں اور مینگل اور مری پر بھی انہیں دسترس حاصل ہے یہ بات وہ ایسے وقت میں کہہ رہے تھے جب مری نے جنرل موصوف سے ملاقات سے انکار کر دیا تھا۔ اسی نشست میں بزنجو سے کہا گیا کہ اگر وہ سبی میں نواب مری اور مینگل کو ملاقات کے لئے لے آئیں تو پھر یہ باور کیا جائے گا کہ واقعی وہی اصل قوت ہیں بزنجو نے اس کی حامی بھری اور سیدھے کوئٹہ چلے آئے۔ نواب مری نے میر صاحب کی بات ماننے سے انکار کر دیا انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور سردار مینگل کو مری کے پاس بھیج دیا اور مینگل نے بڑی مشکل سے مری کو جنرل صاحب سے ملاقات پر راضی کر لیا اور اگلے روز تینوں رہنما سبی چلے گئے جہاں جنرل صاحب ان کے منتظر تھے۔ ملاقات ہوئی باتیں

وہ این ڈی پی میں شامل نہیں ہونگے

ہو میں نتیجہ کچھ نہیں نکلا البتہ ایک اور ملاقات طے ہوئی بتایا جاتا ہے کہ مری نے اس ملاقات میں بھی اپنی فلسفیانہ گفتگو کا انداز اختیار کیا جو شرکا سمجھ نہ سکے اس طرح خود کو کسی معاہدے سے بچا لیا۔ البتہ بزنجو نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کو مینگل اور مری پر بالادستی حاصل ہے

اس ملاقات کے بعد نواب مری ایک دفعہ پھر گوشہ نشین ہو گئے۔ حیدر آباد جیل کے دوران کچھ علیل ہو گئے تھے جس کا علاج آپریشن کے سوا ممکن نہیں تھا مگر انہوں نے اسپتال کی بجائے ایک سرجن کو اپنے گھر بلا کر آپریشن کروا دیا۔ اتنا سخت آپریشن اور گھر پر اسی ایک بات سے نواب مری کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے،

کچھ عرصہ بعد جب وہ صحتیاب ہوئے تو افغانستان میں ایک قومی سوشلسٹ انقلاب آچکا تھا۔ میر غوث بخش بزنجو این ڈی پی میں شامل ہو چکے تھے بھٹو کو لاہور ہائی کورٹ سے سزا ہو چکی تھی اور پس پردہ کئی اہم واقعات رونما ہو چکے تھے۔ اس پس منظر کے ساتھ نواب مری نے گوشہ نشینی ختم کر کے لوگوں سے عام ملاقاتیں شروع کر دیں ایسی ملاقاتوں میں میں خود بھی شامل رہا اور میں نے یہ واضح طور پر محسوس کیا کہ جب بھی وہ بلوچی بولتے تو انتہائی سلیس زبان اور لہجہ اختیار کرتے تھے لیکن اردو اور انگریزی مارکسی انداز میں ثقیل لب و لہجہ میں بولتے تھے۔

ان سے ملاقات کے لئے بلوچستان اور ملک کے دیگر حصوں سے بھی لوگ آتے رہے ہیں اور آہستہ آہستہ لوگوں کی دلچسپی ان میں بڑھنے لگی، وہ عام طور پر سب سے ملتے تھے مگر اخبار نویسوں سے ملنے سے گریز کرتے تھے اور جب کبھی ملتے بھی تو انٹرویو دینے سے قطعی گریز کرتے تھے یہی صورت آج تک برقرار ہے۔ خود میں نے بھی کئی مرتبہ ان سے ملاقات کی گھنٹوں طویل نشستیں رہیں مگر اٹھتے وقت ہمیشہ کچھ لکھنے سے منع کرتے تھے۔

ابھی ایک ہفتہ قبل جب میں ان سے ملا تو انہوں نے کہا کہ وہ جھوٹ بولنے کے عادی نہیں ہیں اور سچ موجودہ حالات میں بولنا بڑا مشکل ہے اور نہ ہی اسے کوئی برداشت کرے گا اس کا نتیجہ مختلف صوبوں کے درمیان سانحہ کی صورت میں نکلے گا۔ اس لئے انٹرویو نہ دینا ہی بہتر ہے تاہم وہ یہ برملا کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے ساتھی بلوچوں کے لئے کچھ نہیں کر سکے ہیں اس لئے اب ان کی پوزیشن برقرار رہنا مشکل ہے یقیناً ان کی جگہ وہ بلوچ نوجوان لیں گے جن کے دل قوم پرستی کے جذبے سے سرشار ہیں اور وہ جد و جہد کا عزم رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ آج تک کوئی قوم ڈکٹیٹروں اور دوسری قوموں کے جبر و استبداد کے نتیجہ میں ختم نہیں کی جا سکی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

اگر میں صحافتی بد دیانتی سے کام لوں تو نواب مری کے حوالے سے انتہائی چونکا دینے والی باتیں منظر عام پر آ سکتی ہیں مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنا چاہیئے۔

نواب مری سے ملاقاتوں میں جو تاثر ملتا ہے وہ حیرت انگیز ہے خاص طور پر ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں اور یہ امر واقعہ ہے کہ بھٹو کے بارے میں بگٹی اور مری ایک رائے رکھتے ہیں یعنی یہ کہ وہ پنجاب کے ذریعے برسر اقتدار آئے پنجاب نے ان کو ہٹایا اور پنجاب کے ہی کچھ طبقے ان کو بچانا چاہتے ہیں اس کے باوجود کہ بھٹو دور میں بلوچوں اور خاص طور پر مریوں کو نہ بھولنے والی ہزیمت اٹھانی پڑی پھر بھی بالواسطہ طور پر مری بھٹو کے لئے سافٹ کارنر رکھتے ہیں اور بلوچستان کی تباہی کا ۶۰ فیصد حصہ دوسروں پر اور چالیس فیصد حصہ بھٹو پر ڈالتے ہیں۔

گزشتہ جنوری میں جب بیگم نصرت بھٹو کوئٹہ تشریف لائیں تو اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئیں کہ وہ صرف نواب مری سے ملاقات کرنے کے لئے آئی ہیں ایسی بات تو کوئی نہ تھی لیکن یہاں آ کر بیگم صاحبہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر مری سے ملاقات ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں مگر یہ ملاقات نہ ہو سکی اس لئے نہیں ہوئی کہ بیگم بھٹو نے زیادہ دلچسپی نہیں لی اگر یہ ملاقات ہو جاتی تو پاکستانی سیاست میں ایک دھماکہ ہو جاتا اس بارے میں جب نواب مری سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے ایک پرمغز اور پرمعنی جملہ کہا۔

" بیگم صاحبہ ملنے نہیں آئیں " یعنی اگر آجاتیں تو وہ ضرور ملتے اس طرح یہ چونکا دینے والی اور ناقابل فراموش ملاقات نہ ہو سکی۔

نواب مری نے حال ہی میں کہا ہے کہ وہ این ڈی پی میں شامل نہیں ہونگے یہی بات انہوں نے تحریک استقلال کے موجودہ نائب صدر اور نیپ کے سابق رہنما محمود علی قصوری سے ملاقات کے دوران بھی کہی •

این ڈی پی کے ممتاز رہنما میر غوث بخش بزنجو نے ۱۴ مارچ ۱۹۷۹ء کو جنوبی ایشیا کے علاقے میں ہونے والی حالیہ تہلکہ خیز تبدیلیوں کے مقابلے میں پاکستان کے مذہبی سیاسی عناصر کے طرز عمل کے پیش نظر مندرجہ ذیل اخباری بیان جاری کیا۔

ایران میں ایک بے مثال عوامی انقلاب کی کامیابی نے دو نہایت ہی اہم باتیں واضح کر دی ہیں اس نے دوسرے ملکوں کے عوام کو ظلم استحصال اور ناانصافیوں کے جوئے سے چھٹکارا پا لینے کا ایک نیا راستہ دکھایا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے ان تمام ارباب اقتدار کو سخت تنبیہ کر دی ہے اور ان کی آنکھیں کھول دی ہیں جو عوام کی اجتماعی قوت کو خاطر میں نہ لا کر عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر دینے کے لیے خود اپنی فوجی اور نیم فوجی حملہ آور قوت پر بھروسہ کر لیتے ہیں مجھے یقین ہے کہ ایران میں جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد تو صرف وہی لوگ جو بالکل پاگل ہو گئے لوگوں کو دبائے رکھنے اور اپنا محکوم بنائے رکھنے کے لئے اپنی حملہ آور طاقت پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔

میں ایران کے بہادر عوام کو ان کی شاندار کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں پھر بھی مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ایران میں جو صورتحال پائی جاتی ہے ایرانی عوام کے دوستوں کو سخت تشویش ہے ایران کے لوگوں نے جو عظیم جد و جہد کی تھی اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ایک بدعنوان بے رحم اور زوال پذیر طاقت کا تختہ الٹ دے بلکہ یہ مقصد تھا کہ اس کی جگہ ایک جمہوری نظام قائم کیا جائے بدقسمتی سے اس کے واضح آثار نظر آنے لگے ہیں کہ ایران کے سماج کو ضعیف الاعتقادی "نارواداری" کے جنگلے میں ہانکا جا رہا ہے ایران کے عوام جنہوں نے آزادی انسانی وقار کے لئے ایسی زبردست قربانیاں دی ہیں یقیناً وہ کسی کو اس کا موقع نہیں دینگے کہ انہیں پھر سے ایک دوسرے قسم کے گونگے غلاموں کی حالت کو پہنچا دے اس کے علاوہ یہ بھی ذہن نشین

رجعت پسند ملک کے لئے

خطرات پیدا کر رہے ہیں بزنجو

پاکستان کو افغان عوام کے دشمنوں کی پناہ گاہ بنایا جا رہا ہے

دیکھنا چاہیے کہ ایران کی مختلف قومیتیں جنہوں نے پہلی مرتبہ پہلوی بادشاہت کے آہنی شکنجے سے چھٹکارا پا لیا ہے ان نئے حالات میں اپنے آپ کو آزاد اور خود مختار محسوس کر رہے ہوں گے اور یہ چاہتے ہوں گے کہ ان کے قومی تشخص کو بحال کیا جائے اگر وہ لوگ جو ایران میں عوام کی تائید کے بل پر برسر اقتدار آگئے ہیں اس نازک مسئلے کا ایک صحیح اور بروقت حل تلاش کرنے میں ناکام ہو جائیں تو یہ عین ممکن ہے کہ ایران پہلے سے زیادہ انتشار اور بے چینی کی دلدل میں پھنس جائے ایسی صورت میں جبکہ ایرانی عوام کے اندرونی اور بیرونی دشمن اپنے شیطانی منصوبوں کو نئی شکل میں لانے کی کوشش کریں اور اس علاقے کے امن اور سلامتی کو خطرے میں ڈال دیں اور ایران کے عوام کے مستقبل کو تباہ کر دے۔

میں ایرانی حکومت کو ایران سے تمام سامراجی اثرات کو ختم کر دینے کے لئے مثبت اقدامات کرنے کے حالیہ اقدامات پر بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مثلاً "چاہ بہار" پر اربوں روپے کے بے فائدہ بحری فوجی اڈے کو مچھلی بندر میں تبدیل کر دینا تاکہ وہ روپیہ جو اس تخریبی منصوبے پر ضائع ہو رہا تھا وہ ایران کے عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ ہو سکے۔ یا عمان سے ایران کی فوج واپس بلا لینا اور اس ملک سے فوجی آلات کو ہٹا دینا یا جنوبی ایشیا کے چوکیدار کی حیثیت سے ایران کے کردار کا ختم کر دیا جانا اور ایران کو غیر وابستہ ملک بنا دینا، اسرائیل سے تعلقات منقطع کر لینا اور اپنے آپ کو فلسطین کے عوام سے ہم آہنگ کر لینا اور ایران کو تمام فوجی معاہدوں سے نکال لینا۔

ہمیں امید ہے کہ جنوبی ایشیا کی دوسری قومیں بھی ایرانی عوام کے نقش قدم پر چلیں گی خود اپنے آزادی اور وقار کی حفاظت کرتے ہوئے اس علاقے کے "امن" اور "سلامتی" کے لئے کوشش کریں گی۔

ہمارے ہمسایہ ملک ایران میں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس کے برعکس خود اپنے ملک میں ایسے نادانوں کے بعض گروہ ایسی سرگرمیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں جو جنوبی ایشیا کے امن و استحکام اور سلامتی کے لئے سنگین نتائج کے حامل ہو سکتی ہیں چنانچہ اب سے کچھ ہی دن پہلے ہمسایہ ملک افغانستان کے مفاد پرست لوگ جو اپنے خود غرضانہ مفاد سے محروم ہو گئے ہیں موجودہ افغان حکومت کے خلاف بڑی شد و مد سے جنگی پروپیگنڈے میں مصروف نظر آتے ہیں میں ان سرگرمیوں پر تبصرہ نہ کرتا اگر افغانستان کے رجعت پسند بھگوڑے جنہوں نے پاکستان میں پناہ لے رکھی ہے ہمارے ملک کی سرزمین کو افغانستان کے خلاف جارحانہ دشمنانہ پروپیگنڈے اور تخریبی کارروائیوں کے لئے استعمال نہ کرتے ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ وہ عناصر ہیں جو ہمیشہ افغانستان کے عوام کے خلاف کام کرتے رہے ہیں اور ایک مدت سے جونک بن کر ان کا خون چوستے رہے ہیں جب اس ملک میں "قومی جمہوری انقلاب" نے ان کا صفایا کر دیا تو افغانستان کے یہ سماجی اور سیاسی بھگوڑے اور پاکستان میں ان کے حمایتی و ساتھی افغانستان کی حکومت کے خلاف ایک مخالفانہ مہم میں مصروف ہو گئے ہیں جب یہ عناصر اچھے ہمسایہ کے تمام طرز عمل کو بالائے طاق رکھ دیں اور پاکستان کی سرزمین پر ایسی سرگرمیوں کے نتیجوں کو نظرانداز کر دیں تو میرے لئے چپ رہنا مشکل ہے ان کی سرگرمیاں دو ہمسایہ ریاستوں کے تعلقات کو مسموم ہی نہیں کریں گی بلکہ ہماری سرحدوں کی سلامتی کو اور ہمارے داخلی استحکام کو بھی خطرے میں ڈال سکتی ہیں ہم کسی صورت میں بھی اپنے لئے ایسے سنگین خطرات مول لینے کا کھیل محض اس لئے کھیل رہے ہیں کہ پاکستان میں ایک مٹھی بھر سیاسی اور مذہبی نا اقتدار ٹولہ ایسی مہم آزمائیوں کا مزا لینا چاہتا ہے۔

میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ افغانستان سے ہمارے تعلقات میں بڑی نزاکت پائی جاتی ہے اور اس ملک سے اچھے تعلقات قائم رکھنا ہمارے استحکام کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور خاص کر اس نقطہ نظر سے کہ پاکستان، افغانستان خود ایران کے سرحدی علاقوں میں وہ لوگ بستے ہیں جو ایک نسلی اشتراک رکھتے ہیں جن کے ساتھ تاریخی اور تہذیبی اوصاف اور خصائل مشترک ہیں۔ پاکستان اور افغانستان کے کشیدہ تعلقات ان گروہوں کے درمیان جو آپس میں نازک تعلقات رکھتے ہیں ناگوار ردعمل پیدا کر سکتے ہیں میں نے پاکستان میں ذمہ دار ارباب اقتدار سے یہ بھی کہا ہے کہ پاکستان کی سرزمین پر ایسی غیر دوستانہ سرگرمیوں کے لئے حوصلہ افزائی کرنا بعض پاگل جوکھم بازوں اور خود غرضوں کو بلوچستان اور صوبہ سرحد میں پراگندگی اور بے چینی پیدا کرنے کا موقع دینے کے مترادف ہے میں ایک مرتبہ پھر یہ کہتا ہوں کہ اگر بعض سیاسی جماعتیں رہنما یا دوسرے عناصر جو اس وقت پاکستان میں برسر اقتدار ہیں ہمارے علاقے میں جغرافیائی سیاسی صورتحال کا خیال نہ کر کے محض سستی شہرت اور مقبولیت کی خاطر ایسی جوکھم بازی کی راہ اختیار کریں تو وہ سچ مچ آگ سے کھیلیں گے جبیں تمام متعلق لوگوں سے واضح طور سے یہ کہہ دینا چاہتا ہوں ہم پاکستانی خاص کر بلوچ اور پشتون جو ان تین پڑوسی ملکوں کے سرحدوں کے دونوں طرف رہتے ہیں ہمیں تباہی کی طرف لے جانے والی تمام کوششوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور ہمیں تباہ کرنے کا کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ پاکستانی عوام کے بڑھتے ہوئے سماجی اور معاشی مسائل کو حل کرنے میں اپنے دماغوں توانائیوں کو صرف کرنے کے بجائے یہ رجعت پسند طاقتیں افغانستان کے برادر عوام کے "قومی جمہوری انقلاب" کے حاصل ہونے والے فائدوں کو تباہ کرنے کی کوشش اور پاکستان کو خطرات میں دھکیلنے میں مصروف ہیں میں ہمارے ملک کی فوجی حکومت کو ان رجعت پرست مذہبی قوتوں کے سرگرمیوں کے نتائج کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور ان خطرناک مہم آزمائیوں کو روکنے اور خاتمہ کرنے کے لئے حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں تاکہ حالات اس حد تک نہ بگڑ جائیں کہ ان دو ہمسایہ ریاستوں کے تعلقات جو نازک رشتوں سے بندھے ہوئے ہیں ٹوٹ جائیں اور اس علاقے کی سلامتی تہس نہس ہو جائے۔

پچھلے دنوں امریکی وزارت خارجہ کے ڈپٹی سیکریٹری وارن کرسٹوفر نے پاکستان اور ہندوستان کا دورہ کیا تھا اس دورے سے واپسی پر انہوں نے ایک ہاؤس سب کمیٹی (ایوان نمائندگان کی ایک ذیلی کمیٹی) کے سامنے ایک بیان دیا جس میں انہوں نے جنوبی ایشیا و برصغیر کی مجموعی صورتحال اور ہر ملک کا علیحدہ علیحدہ جائزہ پیش کیا ہے اور امریکی انتظامیہ، خاص طور پر وزارتِ خارجہ کی تجاویز پیش کی ہیں۔ آپ اور ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اس طرح کے بیانات اور کارروائیوں میں بڑی چابکدستی اور احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ تجزیئے کے بعض اہم اور بنیادی پہلوؤں کو جان بوجھ کر سامنے نہیں لایا جاتا تاکہ ان کے اصل عزائم دنیا پر ظاہر نہ ہو جائیں۔ تجاویز کے بارے میں تو یہ احتیاط اور بھی بڑھ جاتی ہے اس کے باوجود یہ بیانات اور کارروائیاں ایک حد تک امریکی حکمرانوں کے طرزِ فکر اور مستقبل کی منصوبہ بندیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس علاقے کے سیاسی شعور رکھنے والے لوگ ان عزائم اور منصوبوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں اسی خیال کے پیشِ نظر ہم مسٹر وارن کرسٹوفر کے بیان کے متن کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے آپ نے آج اپنے ساتھ ہم نشینی کے لئے مدعو کیا۔ جنوبی ایشیا کی صورتحال، اس علاقے کی اقوام کے ساتھ امریکہ کے تعلقات اور جنوبی ایشیا کے استحکام سلامتی اور خوشحالی کے لئے جو اقدامات کئے جا سکتے ہیں ان کے بارے میں آپ سے گفتگو کے اس موقع کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ آپ نے درخواست کی ہے، میں ایک علاقائی طاقت کی حیثیت سے ہندوستان کے کردار کا جائزہ پیش کروں گا اور بحر ہند میں طاقت کے توازن کے بارے میں امریکہ اور روس کے درمیان مذاکرات کی موجودہ صورت حال پر تبصرہ کروں گا۔

میں ابھی ابھی ہندوستان اور پاکستان کے دورے سے لوٹا ہوں جہاں میں نے وزیر اعظم ڈلیسائی اور صدر ضیاء اور ہر ایک ملک کے دوسرے اعلیٰ حکام سے ملاقات کی۔ ڈپٹی سیکریٹری بننے کے بعد یہ میرا برصغیر کا دوسرا دورہ تھا۔ دونوں ممالک کے رہنماؤں سے گفتگو کے دوران میں ایک مستحکم، محفوظ اور خوشحال جنوبی ایشیا کے انکی خواہش سے حیرانی کی حد تک متاثر ہوا۔ وہ توقع کرتے ہیں کہ مستقبل علاقے کی تمام اقوام کے درمیان بہتر تعلقات لائے گا۔ وہ توقع کرتے ہیں کہ ان کی کوششیں بیرونی خطرات کے مقابلے کی طرف نہیں بلکہ تعاون اور ترقی کی طرف موڑی جا سکتی ہیں۔

مگر پاکستان اور ہندوستان پر ماضی کی یادیں اب بھی بھاری ہیں۔ ایک دوسرے کی نیتوں کے بارے میں تشویش اب بھی موجود ہے۔ پڑوسی ممالک میں ہونے والے واقعات کے نتیجے میں وہ مختلف انداز میں تشویش میں مبتلا ہیں کہ اس علاقے میں بیرونی طاقتیں کیا کر رہی ہیں یا کر سکتی ہیں۔

جنوبی ایشیائی برصغیر کا حصہ ہونے کے ناطے اس علاقے کی اقوام صرف اپنے بارے میں نہیں سوچتیں۔ بقیہ دنیا سے ان کے تعلقات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان مشرق وسطےٰ کے تیل پیدا کرنے والے ممالک کو کافی مقدار میں اشیاء اور خدمات برآمد کرتے ہیں۔ سری لنکا اور بنگلہ دیش یورپ اور دوسری ایشیائی اقوام سے معاشی تعلقات کو فروغ دے رہے ہیں۔ ان کے مشرق اور مغرب میں ہونے والے واقعات جنوبی ایشیائی ممالک کے تحفظ کی ضروریات کے بارے میں تصورات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ برصغیر کی اقوام ایک وسیع تر علاقے کا حصہ بنتی جا رہی ہیں جو مغرب میں جزیرہ نمائے عرب سے لے کر مشرق میں پورے جنوبی ایشیا تک پھیلا ہوا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس علاقے کے بارے میں ہمارا تصور بھی تبدیل ہو رہا ہے۔ ہم خلاء میں "جنوبی ایشیائی پالیسی" نہیں بنا سکتے۔ ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم دوسرے علاقوں میں ہونے والے واقعات کے اثرات کو بھی پیش نظر رکھیں۔

۱۹۷۰ کی دہائی کے افق پر ایک نیا جنوبی ایشیا نمودار ہوا۔ ایسی

کئی علامات تھیں کہ علاقے کی ا...
کشیدگی کی تواریخ کو پار کرنا...
پڑوسی کی پالیسی" کی ابتدا...
وقت کے اسسٹنٹ سیکر...
نے اس کمیٹی کے سامنے بیا...
یقین ہے کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو...
علاقائی کشیدگی اس وقت س...
سفیر ڈلس کے بیان کے...
ممالک کے درمیان صلح جوئی کا...
ہندوستان اور پاکستان نے کراچی ا...
کھولنے کا معاہدہ کیا اور وزیر عظ...
سے خوشگوار مذاکرات کئے۔ اف...
سے بہتر تعلقات کی طرف گام...
نے کافی عرصے سے حل طلب...

بھارت، بنگلہ دیش اور نیپال آبپاشی کے مشترکہ منصوبو...

جنوبی ایشیا میں امریکہ کی پالیسی

پاکستان کی صورتحال پر بھٹو کا مقدمہ چھایا ہوا ہے

...اقوام نے باہمی شکوک اور
...نا شروع کر دیا تھا۔ ایک اچھے
...ہوری تھی۔ ایک سال قبل اسی
...ٹیری اسٹیٹس، ایڈولف ڈبس،
...ن دیتے ہوئے کہا تھا "مجھے
...ہو گا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے
...سے نچلی سطح پر ہے"۔
...بعد کے مہینوں میں جنوبی ایشیا کے
...عمل جاری رہا۔ مثال کے طور پر
...ر بمبئی میں اپنے قونصل خانے
...م ڈیسائی نے نیردبی میں صدر ضیاء
...انستان کی سابق حکومت پاکستان
...ن تھی اور بنگلہ دیش اور ہندوستان
...بھی تنازعات طے کرتے۔ ہم نے

ان واقعات کی پذیرائی اس بات کی علامت کے طور پر کی کہ اس علاقے کی اقوام کشیدگی میں کمی کر رہی ہیں تاکہ وہ اپنے اقتصادی ترقی اور انسانی فلاح کے بنیادی مسائل کے لئے زیادہ سے زیادہ توجہ اور وسائل وقف کر سکیں۔

ان صحت مند رجحانات میں سے کئی ایک جاری ہیں لیکن بدقسمتی سے جنوبی ایشیائی اقوام کے درمیان بہتر تعلقات کی جو لہر زور پکڑ رہی تھی اس میں کچھ کمی آنی شروع ہو گئی۔ یقیناً اسپائک ڈبس کی المناک اور غیر دانشمندانہ ہلاکت ہمیں ان ڈرامائی تبدیلیوں کی یاد دلاتی ہے جنہوں نے ایک سال قبل آپ سے ان کی ملاقات کے بعد سے اس علاقے کی صورتحال میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ اب واقعتاً یہ خطرہ ہے کہ گہری جڑیں رکھنے والی تاریخی اور نفسیاتی طاقتیں دوبارہ ابھریں گی اور یہ کہ اس علاقے میں بڑی طاقتوں کی شرکت اور مقابلے میں شدت آ جائے گی اور یہ کہ اس علاقے کی حکومتوں کی توجہ اپنی قوموں کی داخلی ترقی کی بجائے ان کے تحفظ کے بارے میں خیالی خطرات سے نمٹنے پر مرکوز ہو جائے گی۔

گزشتہ سال کے دوران کیا واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے یہ صورتحال پیدا ہوئی ہے؟

افغانستان میں روس کی حامی حکومت کے وجود میں آنے اور وہاں روسی اثر و نفوذ میں اضافے سے پاکستان اور علاقے کے دوسرے ممالک کو گہری تشویش لاحق ہے جیسی کہ امریکہ کو ہے پاکستان کی تشویش بنیادی طور پر اس کے پڑوسی کے نظریئے کے گرد نہیں گھومتی بلکہ اسے پاکستان کے سرحدی علاقوں پر افغان دعوے کے دوبارہ ابھرنے اور پاکستانی بلوچستان اور شمال مغربی صوبہ سرحد میں علیحدگی پسندی کی تحریک کی افغان حکومت کی طرف سے حمایت کا اندیشہ لاحق ہے۔

ہندوستان بالخصوص ایران میں عدم استحکام پر پریشان ہے اس سے وہاں ہندوستان کے اقتصادی مفادات کا داؤ پر لگا ہونا ظاہر ہوتا ہے جس میں اس کی ۳۵ فیصد تیل کی درآمد شامل ہے اور یہ کہ ایران اس کی مصنوعات اور مزدوروں کے لئے اہم منڈی فراہم کرتا ہے جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو وہ بھی دوسرے اسلامی ممالک کی طرح تشویش کے ساتھ یہ دیکھنے کا منتظر ہے کہ تہران کی نئی حکومت کی جانب سے کن پالیسیوں کا اظہار ہوتا ہے لیکن پاکستان ایران سے اپنے ماضی کے بہتر تعلقات کو برقرار رکھنے کی توقع کرتا ہے۔

چین اور ہندوستان کے درمیان تعلقات کی بحالی کو چین کے ویتنام پر حملے کی وجہ سے دھچکا پہنچا۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب ہندوستانی وزیر خارجہ چین میں تھے۔

جنوبی ایشیا کی ضروریات تکمیل اور اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ جنوبی ایشیا کا وہ نیا درجو ۱۹۷۷ء میں افق پر نمودار ہوا تھا اب بھی رواں دواں ہے، امریکہ اور دوسرے کیا کر سکتے ہیں۔

ایک مستحکم، محفوظ اور خوشحال جنوبی ایشیا اس بات کا متقاضی ہے کہ ہماری اور اس علاقے کی اقوام کی کوششیں ہم معاملات پر مرکوز ہوں:

اوّل: اس علاقے کے داخلی اختلافات، مشکلات اور علاقائی رقابتوں سے غیر ممالک کے فائدہ اٹھانے سے اس علاقے کو محفوظ کیا جائے۔

...پر کام کرتے ہیں

دوئم : اس علاقے کی اقوام کے درمیان عظیم تر تعاون۔

سوئم : ذمہ دار اور نمائندہ سیاسی اداروں کا فروغ اور انہیں برقرار رکھنا اور انفرادی حقوق کا احترام۔

چہارم : اقتصادی ترقی کا فروغ جس میں زیادہ روزگار اور زیادہ غذائی پیداوار خاص طور پر شامل ہوں۔

مجھے اجازت دیجئے کہ ان میں سے ہر ایک معاملے پر چند الفاظ کہوں

بیرونی ممالک کے فائدہ اٹھانے سے تحفظ

وہ مسائل جن سے اس علاقے کی اقوام کو واسطہ ہے، بنیادی طور پر اپنی نوعیت کے اعتبار سے داخلی ہیں لیکن وہ خود کو پیش کرتے ہیں کہ بیرونی ذرائع ان سے فائدہ اٹھائیں۔ جنوبی ایشیا اقوام کو جبکہ وہ اپنے مسائل حل کر رہی ہوں بیرونی اثرات سے لازماً محفوظ ہونا چاہیئے۔ اس علاقے میں اسلحہ پر پابندی کے بارے میں ہماری بحیثیت مجموعی پالیسی کی حدود کے اندر ہم دفاع کے لئے ان کی جائز ضروریات کی تکمیل کریں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ داخلی ترقی کے بنیادی فرض میں مداخلت کے بغیر اور اس علاقے میں اسلحہ کی دوڑ میں اضافہ کئے بغیر ایسی ضروریات کی تکمیل کی جا سکتی ہے اس طرح بلا امتیاز بنیاد پر اور اس انداز میں کہ علاقے میں کشیدگی نہ بڑھے ہم تیار ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان کو فوجی ساز و سامان فروخت کریں۔ مقدار اور ترقی یافتگی دونوں کے بارے میں ہم حد بندی کی پالیسی پر عمل پیرا رہیں گے اور توقع کرتے ہیں کہ دوسرے بھی ایسا ہی کریں گے۔

عظیم تر بین العلاقائی تعاون

جہاں تک جنوبی ایشیائی اقوام کے درمیان عظیم تر تعاون کا تعلق ہے اس ترقی کے لئے جو وہ پہلے ہی کر چکے ہیں ہم ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان صلح جوئی کے عمل کا جاری رہنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ہم دونوں اقوام سے امید رکھتے ہیں وہ اس عمل کو بڑھاوا دیں گی۔ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں چین اور ہندوستان کے درمیان تعلقات کی بحالی، جو ہو سکتا ہے کہ بہت مشکل ہو، جنوبی ایشیا کی تمام اقوام کے استحکام اور تحفظ میں اضافہ کرے گی۔

اس کے علاوہ ہم توقع کرتے ہیں کہ افغانستان ڈیورنڈ لائن جو پاکستان اور افغانستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد ہے کا احترام کرنے لگے گا جیسا کہ عملاً دنیا کا ہر ملک پہلے ہی کر چکا ہے۔

جہاں جہاں ہم سے ہو سکے ہم مدد کریں گے اور دوسری اقوام کو بھی موقع ملے گا کہ اپنی مدد پیش کریں لیکن میں اس بات پر ضرور زور دوں گا کہ کامیابی یا ناکامی کی آخری ذمہ داری خود اس علاقے کی اقوام پر ہے۔

سیاسی ترقی اور انفرادی حقوق

جہاں تک سیاسی ترقی اور انفرادی حقوق کا تعلق ہے تو اس بات کی واضح علامات ہیں کہ جنوبی ایشیا کی اقوام ذمہ دار اور نمائندہ سیاسی اداروں کو ترقی دینے میں پیش قدمی کر رہی ہیں۔

مارچ ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کی عظیم الشان کامیابی کے نتیجے میں ہندوستان کی جمہوری روایات بحال ہو گئیں حکومت نے جسے زبردست پارلیمانی اکثریت حاصل ہے۔ انسانی حقوق کو یقینی بنانے کے لئے مؤثر اقدامات کئے ہیں۔

سری لنکا نے بھی جمہوری سیاسی نظام اور مختلف مفادات کو جمہوری ڈھانچے کے اندر مناسب جگہ دینے پر آمادگی کے اپنے عہد کی دوبارہ توثیق کر دی ہے۔

بنگلہ دیش میں حالیہ انتخابات ایک مزید وسیع البنیاد اور عوام کی قبول کردہ حکومت کے وجود میں آنے کی علامت ہے۔

نیپال میں حکومت نے سیاسی فضا کو روشن خیال بنایا ہے ہم توقع کرتے ہیں وہاں کے نظام کے اندر کام کرنے کی تمام سیاسی طاقتوں کو اجازت دینے کے لئے کوششیں کی جا سکتی ہیں۔

پاکستان کے سیاسی منظر پر بھٹو کا مقدمہ چھایا ہوا ہے۔ وہاں کی موجودہ صورتحال کشیدہ ہے۔ مارشل لاء انتظامیہ جس کے سربراہ صدر ضیاء ہیں، نے اعلان کیا ہے کہ قومی انتخابات اسی سال کے آخر میں منعقد ہوں گے۔ ان انتخابات سے سیاسی محاذ آرائی میں لازمی طور پر کمی ہونی چاہیئے۔ ہم اس بارے میں پُراعتماد ہیں کہ اگر پاکستان کو بیرونی خطرے سے آزادی کے ساتھ اپنے داخلی مسائل کو سلجھانے کے لئے کافی وقت دیا جائے تو ایسی حکومت وجود میں آ سکتی ہے جو عوامی توقعات کی تکمیل کر سکے اور نظام کے اندر مفاد ہونے کا سب کو یقین دلا سکے۔

بدقسمتی سے افغانستان میں انسانی حقوق کے حالات روبہ تنزل رہے ہیں۔ یہ ان بڑے عناصر میں سے ایک بڑا عنصر ہے جس کی وجہ سے وہاں کی امداد میں زبردست کمی کی گئی ہے۔

اقتصادی ترقی

اقتصادی ترقی کے بارے میں جنوبی ایشیا کے مسائل جانے پہچانے ہیں لیکن اپنے حالیہ دورے میں اس ترقی کو دیکھ کر جو ہو چکی ہے اور اس کمک کو دیکھ کر جو ہماری باہمی امداد ترقی کے لئے فراہم کرتی ہے میں حیران رہ گیا۔

اس خطے میں ترقی کی بنیادی اہمیت کی بناء پر میں اس خطے میں ترقی کے لئے زبردست کوششوں کے بارے میں تفصیلی تجزیہ کرنا پسند کروں گا اور ہر ایک ملک کا علیحدہ علیحدہ جائزہ پیش کروں گا۔

خطہ

اس خطے کے لئے بحیثیت مجموعی نہروں میں اضافہ اور آبی وسائل کے بندوبست میں بہتری مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن پر اس بات کا دار و مدار ہو گا کہ جنوبی ایشیاء کی اقوام آئندہ برسوں میں اپنی ضرورت کے مطابق زرعی پیداوار کی استعداد فراہم کر سکیں۔ اس ضمن میں پُرتفکر علاقائی منصوبوں کی طرف حوصلہ افزاء پیش رفت ہو رہی ہے جن کے تحت ہندوستان، بنگلہ دیش اور نیپال اپنے آبی وسائل کو مشترکہ طور پر ترقی دیں گے۔ ہندوستان نیپال سے ایک ہائیڈرو الیکٹرک پروجیکٹ پر مذاکرات کر رہا ہے جس کے تحت اتنی بجلی پیدا کی جا سکے گی جو ہندوستان کی ۱۹۶۰ء کے قریب کی بجلی کی مجموعی پیداوار سے دوگنی ہو گی ساتھ ہی ساتھ نہریں نکالنے کا کام بھی ہو گا۔ ہم اس تصور کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور توقع کرتے ہیں جنوبی ایشیا میں مستقبل کا پروگرام دریاؤں کو ترقی دینے کے ایسے علاقائی منصوبوں میں مثبت کردار ادا کر سکتا ہے جن کو مالی وسائل فراہم کرتے میں کئی اقوام شریک ہوں۔

ہندوستان

ہندوستانی معیشت نے اہم اور تیز ترقی کی ہے ۱۹۷۰ء کے اوائل میں اس کی نمایاں خصوصیت غذائی اجناس کی ناکافی پیداوار، توازن ادائیگی کا دباؤ اور غیر ملکی زرمبادلہ کی کمی تھی۔ حالات میں تبدیلی ڈرامائی رہی ہے اور چند حقیقی پیش قدمیاں ہوتی ہیں۔ ہم سال کی موافق مون سونی بارشوں نے ہندوستان کو غذائی اجناس کی ہم ریکارڈ فصلیں دی ہیں۔ اس کے علاوہ غذائی اجناس کی بڑی مقدار ذخیرہ بھی ہو گئی ہے جس کے نتیجے میں ۷۸-۱۹۷۷ء میں ہندوستان کی معیشت میں ۷ فیصد کا حقیقی اضافہ ہوا جبکہ گزشتہ سال یہ اضافہ ۲ فیصد تھا۔ ۷۹-۱۹۷۸ء میں توقع ہے کہ اقتصادی ترقی اچھی مگر معتدل رہے گی۔

لیکن اچھی فصلیں صرف اچھی بارشوں کا نتیجہ نہیں ہیں کسانوں کا مون سون پر انحصار کم ہو رہا ہے۔ یقیناً ہندوستانی زراعت جسے عرصے سے ترقی کے امکانات سے پُر خیال کیا جاتا رہا ہے ایک تکنیکی انقلاب سے گزر رہی ہے۔ اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ ڈھانچے میں اہم تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں ہندوستان کی

قابلِ کاشت زمین کی ۴۳ فیصد زمینیں نہروں سے سیراب ہو رہی تھی۔ پچھلے ۲۱ برسوں میں اس مجموعی رقبے میں تقریباً ۵ فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ ہوتا رہا ہے کھاد کے استعمال میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے پچھلے دو سال میں اس میں اضافہ اوسطاً ۲۲ فیصد رہا ہے دوسرے مثبت عناصر میں زیادہ فصلیں دینے والے بیجوں تک کسانوں کی دسترس، قرضوں، گوداموں، منڈیوں، بجلی کی فراہمی اور تحقیقات کی سہولتوں میں اضافہ شامل ہیں۔ ہندوستان کی نئی زرعی پالیسی کسانوں کو منافع بخش قیمتوں کی ضمانت دیتی ہے دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع میں اضافہ کرتی ہے اور چھوٹے اور درمیانہ کسان کے حالات کو بہتر بناتی ہے اس زرعی پیش رفت میں امریکی امداد کا حصہ بہت نمایاں رہا ہے۔

خراب موسم اور خراب فصلوں کے خلاف بچاؤ کا اب کافی حد تک بندوبست ہو چکا ہے یہ مختصر مدت کی سازگار صورتحال ہندوستان کو یہ آزادی فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنی اندرونی بچت اور اس خطیر امدادی رقم کو جو وہ غیر ممالک سے حاصل کرتا ہے اپنے طویل المعیاد اقتصادی ترقی کے زبردست مسائل کو کم کرنے کے لئے وقف کر سکے مثلاً سست رفتار زرعی ترقی، آبادی میں تیزی سے اضافہ بے روزگاری اور نیم بے روزگاری، ناکافی غذا صحت تعلیم اور رہائش کا بندوبست وغیرہ۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے پروگرام کا مقصد ان تمام بنیادی معاملات میں مدد کرنا ہے

پاکستان

پاکستان میں معیشت کا نقشہ ملا جلا ہے مگر وہاں حوصلہ افزا واقعات ہوئے ہیں اور معیشت گڑبڑ کے اس دور سے چھٹکارا پا رہی ہے جس نے ۱۹۷۷ء میں موجودہ حکومت کے برسرِاقتدار آنے کی راہ ہموار کی۔ معیشت کی جکڑ بندیوں کو کم کرنے اور سرمایہ کاروں کے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے حکومت نے بنیادی صنعتوں کو قومی ملکیت سے نکالا اور جہاں جہاں ممکن ہوا حکومت کے اختیار و انتظام میں کمی کی۔ معیشت کو مستحکم کرنے اور معقول بنانے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اور اس وقت زیرِ غور منصوبوں کا نفاذ ایک اہم پیش قدمی ہوگا۔ یہ اصلاحات پاکستان کو اس تیز رفتار ترقی کی طرف لوٹا سکتی ہیں جس سے وہ سنہ ۱۹۶۰ء کے زمانے میں مستفیض ہو رہا تھا۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اس کی ترقی کے بہترین امکانات معیشت کے اسی شعبے میں ہیں جہاں اس کو حالیہ برسوں میں پیداوار میں پسپائی کا سامنا کرنا پڑا وہیں وہ اپنے زرعی طور طریقوں میں بہتری پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پچھلے سال کھاد کے استعمال میں تقریباً ۲۲ فی صد اضافہ ہوا اور تقریباً ۱۵ فی صد سالانہ کی شرح سے آئندہ برسوں میں اضافے کا منصوبہ ہے۔

تقریباً ۲۰ سال کی منصوبہ بندیوں اور تعمیرات کے بعد، دنیا کے طویل ترین بندوں میں سے ایک بند، تربیلا بند کام کرنا شروع کر رہا ہے۔ یہ زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے باقاعدہ اور یقینی طور پر پانی کی فراہمی کی ضمانت دے گا۔ یہ وادیٔ سندھ کے زیادہ خشک علاقوں کے لئے بیش بہا ہوگا، اس کے علاوہ ڈیزائن میں ایک حالیہ ردوبدل اس بند میں اتنی گنجائش پیدا کرے گا کہ ملک میں پیدا ہونے والی بجلی کی کل مقدار کی ۶۰ فیصد اس سے پیدا ہو۔

پاکستان میں گندم کی بگڑی ہوئی صورتحال بہتری کی کچھ علامات ظاہر کر رہی ہے۔ پاکستان پیداوار میں غیر متوقع کمی اور طلب میں اضافے سے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے

پاکستان میں گندم کی درآمد ۲۳ لاکھ ٹن تک پہنچ گئی

کے لئے ۲۳ لاکھ ٹن گندم درآمد کرنے کے آخری مرحلوں میں ہے۔ کئی برس تک پیداوار میں معمولی مگر مسلسل اضافے کے بعد پیداوار میں کمی کو گندم کی خرابی اور پیداکنندہ کو ملنے والی ان قیمت کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے جو کسانوں کو گندم کی پیداوار پر اطمینان بخش معاوضہ فراہم نہیں کرتی۔ حکومت پاکستان نے اس سال پیداکنندگان کو ملنے والی قیمت میں ۲۴ فیصد اضافہ کیا ہے اور پیداوار کی حوصلہ افزائی کے لئے دوسرے طریقے متعارف کرائے ہیں۔ پاکستان کے ایک قابل ترین زرعی ماہر کی سربراہی میں ایک زرعی تحقیقاتی کونسل قائم کی گئی ہے جو حکومت پاکستان کو اس قابل بنائے گی کہ وہ تحقیقات کی مدد سے بہتر بیج اور زرعی مشورے فراہم کر سکے۔ خوش قسمتی سے اس سال توقع ہے کہ پاکستان کی گندم کی فصل بہترین ہوگی۔

بنگلہ دیش

بنگلہ دیش میں ۴ سال کی بہترین فصلوں اور صنعتی اور خدمات کے شعبوں میں ڈرامائی ترقی نے معیشت کو مستحکم کیا ہے مگر معیشت کے غالب شعبے، زراعت کا انحصار بڑی حد تک موسم پر ہے جبکہ غلے کی درآمد میں کمی، غلے کے ذخائر میں اضافہ اور ملک کے اندر غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافہ حوصلہ افزا عوامل ہیں مگر ایک بڑا سیلاب، سمندری طوفان یا ایک خراب مون سون بنگلہ دیش کو بڑے پیمانے کی تباہی سے دوچار کر سکتے ہیں۔

بنگلہ دیش غذائی اجناس کی پیداوار میں کافی اضافہ کر سکتا ہے اور قدرتی تباہ کاریوں کے صدموں سے خود کو محفوظ کر سکتا ہے۔ ہمارا باہمی امداد کا پروگرام اسی امکان کو عملی صورت دینے کی کوشش ہے۔ بہت کچھ کرنا باقی ہے اور بنگلہ دیش کو آئندہ کچھ اور وقت کے لئے امریکہ اور دوسرے عطیات دینے والے ممالک کی مدد کی ضرورت رہے گی۔

کھاد کے استعمال میں اضافہ، زیادہ پیداوار دینے والے بیج، نہری نظام کی توسیع اور امدادی قیمتوں کے نظام کا قیام ان سب چیزوں نے مشترکہ طور پر غذائی اجناس کی پیداوار میں معاونت کی ہے۔ حکومت خشک موسم کی فصلوں کو وسعت دینے کے لئے جدید زرعی تکنیک استعمال کرنے کی سخت کوشش کر رہی ہے۔ اس امکانی ترقی کا حصول بنگلہ دیش کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ مون سون اور درآمد شدہ غذائی اجناس پر انحصار میں کمی کر سکے۔

صنعتی شعبے میں ترقی زرعی شعبے کے مقابلے میں زیادہ ڈرامائی رہی ہے گو کہ اس نے بڑی ہی مختصر بنیاد سے ابتداء کی تھی۔ بنگلہ دیش کی مجموعی قومی پیداوار میں صنعتی پیداوار کے حصے میں پچھلے ۴ سال میں ۴۵ فیصد اضافہ ہوا ہے، گو کہ قومی پیداوار میں زرعی پیداوار کا حصہ اب بھی ۱۵ فیصد سے کم ہے مگر ۱۹۷۷ء-۷۸ء میں پہلی بار صنعتی پیداوار آزادی سے قبل کے سال (۱۹۶۹ء-۷۰ء) کی پیداوار سے تجاوز کر گئی۔ حکومت نے بیرونی سرمایہ کاری کی دعوت دی ہے لیکن ابھی تک وہ قابلِ ذکر رقوم کو متوجہ کرنے میں ناکام رہی ہے۔

سری لنکا

سری لنکا میں اہم مثبت اقتصادی واقعات ہوئے ہیں۔ ایک ایسی حکومت منتخب ہوئی جس نے ایسی اقتصادی اصلاحات کے وعدے پر انتخاب جیتا تھا جس کا مقصد سست رفتار معاشی ترقی اور زبردست بے روزگاری کا قلع قمع کرنا تھا جو سنہ ۱۹۷۰ء میں قومی معیشت کی خصوصیت بن گئی تھی۔ جے وردھنے حکومت کی نئی اقتصادی پالیسی میں مرکزی حیثیت مہاویلی کے عظیم آب پاشی کے منصوبے کو حاصل ہے جس کا مقصد

روزگار کے مواقع کو وسعت دینا اور زرعی پیداوار میں اضافہ ہے۔ سری لنکا میں ہماری حکمتِ عملی حکومت کی زرعی پیداواری صلاحیت اور روزگار میں اضافے کی کوششوں کی حمایت کرتی ہے کہ غذائی خود کفالت کی طرف پیش قدمی اور عوام کی ضروریات کی تکمیل کی طرف کافی حد تک ترقی برقرار ہے۔

گزشتہ ۱۸ ماہ میں حکومت نے کرنسی کی قیمت میں کمی، درآمدات اور غیر ملکی زرمبادلہ کے قوانین میں نرمی پیدا کی، قیمتوں پر کنٹرول کو ختم کیا، زرِ تلافی میں کمی کی اور ملکی اور غیر ملکی نجی شعبے کو ترغیب دینے کے لئے برآمدات کی بنیاد پر ایک آزاد تجارتی علاقہ قائم کرنے کے بڑے منصوبے پر کام شروع کر دیا ہے۔ ان کوششوں اور ان کے ساتھ ساتھ بہتر موسمی حالات اور روایتی برآمدی اشیاء کی بڑھتی ہوئی عالمی قیمتیں، ان سب نے مل کر غذائی اجناس اور صنعتی اشیاء کی پیداوار میں حوصلہ افزا نتائج پیدا کئے ہیں۔ گزشتہ سال معیشت میں ۶ فیصد حقیقی ترقی ہوئی ہے۔ یہ ترقی ۱۹۷۷ء میں مجموعی قومی پیداوار میں ۴ء۴ فیصد اور اس سے پہلے کے ۷ سالوں میں ۳ فیصد سالانہ ترقی کے مقابلے میں ہے۔ آج سری لنکا کی معیشت ایک سال پہلے کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور ترقی کے لئے زیادہ سازگار ہے۔

نیپال

نیپال اب بھی ایک انتہائی غریب ملک ہے لیکن چند حوصلہ افزا معاشی علامات موجود ہیں۔ توقع ہے کہ بہتر فصلوں کی وجہ سے معیشت اس ٹھہراؤ سے نکل سکے گی جو پچھلے چند برسوں سے اس کی خصوصیت رہی ہے۔ گزشتہ ۲۰ برسوں میں جو بے پناہ سرمایہ کاری ہوئی ہے وہ اب حکومت کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے براہ راست مرکوز کی جائے۔ گزشتہ سال ہندوستان سے تجارت اور راہداری کے معاہدے اور زرِ قوم کے تبادلے کے پیچیدہ نظام میں اصلاح سے معاشی ترقی کو بڑھاوا ملے گا۔ اس بات کی بھی توقع ہے کہ غیر ملکی امداد اور قرضوں میں بھی کافی اضافہ ہوگا۔

اس کے باوجود معاشی ترقی کے لئے نیپال کے امکانات محدود ہیں۔ دریا اور پہاڑ ہی وہ ذرائع ہیں جو ملک کے اہم ممکنہ معاشی وسائل ہیں یہ طے ہے کہ ایک ڈرامائی معاشی پیش رفت ممکن ہے جبکہ ملک کافی مقدار میں پن بجلی کی برآمد شروع کرے گا، علاقائی آبی ذرائع کو ترقی دینے کی دعوت دینے میں نیپالیوں نے پہل قدمی کی ہے۔

میں نے تفصیل کے ساتھ ان چار معاملات پر گفتگو کی ہے ہمیں یقین ہے کہ ان پر ہماری اور جنوبی ایشیائی اقوام کی کوششوں کو مرکوز ہونا چاہئیے لیکن میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک معاملے میں ترقی رک جائے گی اگر یہ دوسرے ہر ایک معاملے میں ترقی سے منسلک نہ ہو۔ ترقی یافتہ تحفظ، بڑھا ہوا بین العلاقائی تعاون زیادہ ذمہ دار سیاسی ادارے جو انفرادی حقوق کا احترام کرتے ہوں اور عظیم تر اقتصادی ترقی جنوبی ایشیا کے مستحکم اور خوشحال مستقبل کے لئے باہمی انحصار اور ایک دوسرے کو تقویت دینے والے عناصر ہیں۔

جناب صدر آپ نے مجھے کہا ہے کہ ہندوستان کے علاقائی طاقت کی حیثیت سے کردار کے بارے میں اپنا جائزہ پیش کروں۔

مجموعی قومی پیداوار، آبادی، فوجی طاقت یا صنعتی بنیاد، کسی بھی پیمانے سے ناپا جائے تو ہندوستان اس علاقے کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ یہ جنوبی ایشیا کی ایک بنیادی اور ناقابل تغیر حقیقت ہے۔ ہندوستان سے ہمارے تعلقات اچھے ہیں اور صدر کارٹر اور وزیر اعظم ڈیسائی کے درمیان قائم ہونے والے باہمی احترام اور اعتماد نے اس تعلق کو قائم کیا ہے۔

ہم یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اس علاقے میں ہمارے مفادات ہم آہنگ اور ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں اور ان اختلافات کو جو ابھرتے رہتے ہیں ہم ذمہ دارانہ اور خوشگوار انداز میں طے کر سکتے ہیں یقیناً یہاں رکاوٹ ڈالنے والے عناصر بھی موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں یہ ہیں۔

(ا) ماضی کے تجربات کی روشنی میں بڑھنے والی ہندوستان کی اس امر پر تشویش کہ امریکہ محدود پیمانے پر ہی سہی پاکستان کو اسلحہ فراہم کرنے پر آمادہ ہے۔

(ب) جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکنے کی پالیسی کے مقصد کو عملی شکل دینے کے سلسلے میں مسلسل اختلافات۔

جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکنے کی ہماری پالیسی ہمارے لئے انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور پچھلے ۲ سالوں میں صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پاکستان سے بھی اپنی گفت و شنید کے دوران اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

ہم ہندوستان اور اس کے خیالات کو سنجیدگی سے لیتے ہیں اور ہماری دونوں حکومتیں دو طرفہ اور کثیر طرفہ مسائل پر وسیع دائرے میں مذاکرات میں مصروف ہیں اور یہ سب کچھ باہمی احترام، اعتماد خیر سگالی اور تعاون کی فضا میں ہو رہا ہے۔

اب مجھے بحرِ ہند میں فوجی توازن کے موضوع پر روسی امریکی مذاکرات کی طرف رخ کرنے دیجئے۔ ان وجوہات کی بناء پر جن پر وسیع پیمانے پر گفت و شنید ہو چکی ہے نہ تو روس اور نہ ہی امریکہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بحرِ ہند کے علاقے میں دوسرے فریق کی فوجی موجودگی میں اضافہ ہو۔

بحرِ ہند میں تحدیدِ اسلحہ کے معاہدے کے سلسلے میں مذاکرات ۱۹۷۷ء میں شروع ہوئے اور امریکہ اور روس کے درمیان تعاون کی کوشش کا ایک موقعہ فراہم کیا۔ مذاکرات کا مقصد یہ تھا کہ اس علاقے میں امریکہ اور روس کی فوجی موجودگی کی سطح کو مستحکم کیا جائے۔ ہمارے درمیان مذاکرات کے ۴ دور ہوئے۔ آخری میٹنگ فروری ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ بہرحال ہم نے اس وقت اپنی اس تشویش کا اظہار کر دیا تھا کہ روس بحرِ ہند میں اپنی بحری فوج کی سطح میں اضافہ کر کے ہارن آف افریقہ میں اپنی سیاسی سرگرمیوں کو مدد پہنچا رہا ہے۔ ہم نے سوال کیا کہ کیا یہ استحکام کے مقصد سے ہم آہنگ ہے۔ اضافہ شدہ روسی بحری موجودگی ۱۹۷۸ء کے آواخر تک جاری رہی اس مرحلے پر یہ واپس تقریباً معمول کی سطح پر آ گئی۔ مستقبل میں مذاکرات کے دور کے وقت کا تعین نہیں ہوا ہے گو کہ یہ معاملہ زیرِ غور ہے لیکن فی الحال دوبارہ مذاکرات شروع کرنے کا کوئی منصوبہ زیرِ غور نہیں ہے۔

❀❀

۲۵ ایکڑ تک مالیہ معاف کیا جائے

پاکستان سوشلسٹ پارٹی سرحد کے سکریٹری امورِ زراعت جناب مرتضےٰ خان شاہین نے مطالبہ کیا ہے۔ کہ کسانوں کی بے دخلیوں پر مکمل پابندی کر دی جائے اور ۲۵ ایکڑ تک کے مالکانِ اراضی سے عشر کی وصولی کا پروگرام منسوخ کیا جائے ایک اخباری بیان میں انہوں نے کہا کہ سوشلسٹ پارٹی ہمیشہ سے یہ مطالبہ کرتی رہی ہے کہ ۲۵ ایکڑ تک کے مالکانِ اراضی کو مالیہ معاف کیا جائے۔ کیونکہ اس حدِ ملکیت کے کسانوں کی پیداوار بڑھانے اور اپنے حالاتِ زندگی بہتر بنانے کے لئے حکومت کی امداد کی ضرورت ہے جس میں بیج۔ کھاد۔ کرم کش ادویات وغیرہ کے سستے داموں مہیا کرنا شامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب حکومت نے حدِ ملکیت کا تعین کئے بغیر عشر وصول کرنے کے جس پروگرام کا اعلان کیا ہے۔ اس کے ۲۵ ایکڑ تک کے مالکانِ اراضی کو معاف کیا جائے انہوں نے مطالبہ کیا کہ جاگیرداروں اور خوانین پر انکم ٹیکس نافذ کیا جائے۔ کیونکہ ان لوگوں نے کبھی بھی انکم ٹیکس ادا نہیں کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ کسانوں کی بے دخلیوں پر مکمل پابندی لگائی جائے اور اس مقصد کے لئے متعلقہ قوانین میں ترمیم کر دی جائے انہوں نے کہا کہ کسانوں کے سر سے بیدخلی کی تلوار ہٹنے کے بعد ہی پیداوار میں اضافہ ممکن ہوگا

بلوچستان میں ترقیاتی فنڈ سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے

خام اون کی قیمت ۵ روپے اور تیار شدہ اون کی ۱۵۰ روپے

میر اخان مندوخیل کے ساتھ ۲ مارچ ۹ء سے بلوچستان کا دورہ کر رہے ہیں۔ اضلاع ژوب کوئٹہ اور سبی میں پارٹی کارکنوں کے مختلف اجلاسوں سے خطاب کیا، اور دوران قیام جناب خیر بخش خان مری، جناب امتیاز حسین حنفی، میر گل خان نصیر، جناب زمرد حسین، ملک عبدالعلی کاکڑ، جناب عثمان کانسی، جناب سیف الرحمٰن مزاری، سید نصیر اللہ شاہ، ملک فیض محمد، ملک سردار خان کاکڑ کے علاوہ بلوچ پشتون طلبا اور مزدوروں کے مختلف وفود سے ملاقاتیں اور تبادلہ خیال کیا۔

۱۱ مارچ ۹ء کو کوئٹہ ہائی کورٹ بار سے ڈاکٹر اعزاز نذیر نے خطاب کیا۔ انہوں نے ملکی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ "بلوچستان کے عوام کے ذہنوں میں فوجی راج کی تلخ حقیقتیں ابھری ہوئی ہیں۔ جنہوں نے امریکی سامراج اور شاہ ایران کے گھناؤنے کردار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو آج بھی ان کے لگائے ہوئے زخموں سے گھائل ہیں لہٰذا اس علاقہ میں سامراج کی شکست اور افغانستان و ایران کے عوام کی فتح مندیوں سے حوصلہ پانا اور اس کی تائید کرنا ایک حقیقت پسندانہ رجحان ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ رجعتی طاقتیں نسلی و فرقہ وارانہ جنون کو منافرت کی حد تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ عوام اپنے مسائل کو بھول کر عالمی تحریکوں سے کٹے رہیں۔

انہوں نے کہا ملک میں سیاسی اور شہری آزادیوں کے فقدان اور امور مملکت میں عدم شرکت کے احساس نے عوام میں گھٹن پیدا کر دی ہے۔ بلوچستان کے عوام کو یہی پہلی بار ووٹ کا حق حاصل ہوا لیکن اس کے نتائج کو پامال کیا جا کر رائے عامہ کی جو توہین کی گئی وقت کے ساتھ اس کے کرب میں اضافہ ایک لازمی امر ہے بلوچستان میں سرداری نظام رائے عامہ سے خوفزدہ ہے وہ عوام کی ترقی اور جہالت کے خاتمہ کے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے چونکہ سردار یہ جانتا ہے کہ زیور علم سے آراستہ اور بیدار داری سائنسی عمل سے منسلک قبیلہ کے لوگ سرداری جبر کے شکنجوں کو توڑ دیں گے حکمران طبقات اپنے استحصالی عمل کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ اسی گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں قدرتی وسائل سے مالا مال خطہ کے عوام آج ہزارہا سال پرانے عہد میں سانس لے رہے ہیں۔ جن کی اکثریت چرواہوں، گڈریوں اور خانہ بدوشوں پر مشتمل ہے جن کی ایک بھیڑ کا اون جو اوسطاً ۲ پونڈ ہوتا ہے ۔۵ روپے میں خرید کر کیمیائی عمل سے گزرنے کے بعد عوام کے ہاتھوں ۱۵۰ روپے میں فروخت ہو رہا ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس اون

نیشنل پروگریسو پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر اعزاز نذیر جوان مزدور پارٹی کی بلوچستان شاخ کے آرگنائزر جناب

کی پروسیسنگ کے پلانٹ بھی نہیں لگائے جاتے بلوچستان کی ترقی اور فلاح و بہبود کے نام پر خرچ کی جانے والی رقوم کھلے بندوں سیاسی رشوتوں کے طور پر استعمال کی جا رہی ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ نمائشی صنعتوں کے ذریعہ علاقہ کی ترقی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے عوام کی ترقی صحت، روزگار اور تعلیم کے لئے مسائل حل کرنے کے لئے سرداری نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے ملک کے حکمرانوں سے جو قومی قوت محنت کو ملک اور عوام کی ترقی و خوشحالی کے لیے استعمال کرنے کے بجائے سامراجی منصوبوں کی تکمیل کی خاطر بیچ کر ۱۵ ارب کے زرمبادلہ پر پھولے نہیں سماتے، سے پسماندہ علاقوں کی ترقی کی امید رکھنا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔

نیشنل پروگریسو پارٹی کے سربراہ نے کہا کہ ڈیگو گارشیا اور بحر ہند میں امریکی بیڑہ کی موجودگی عالمی سرمایہ داری کے دیوالیہ پن کے نتیجہ میں جنگی عصبیتوں کو ہوا دینے کی سازش کا حصہ ہے۔ دانشوروں اور اہل فکر افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیرت مند اہل بلوچستان کی زبان بنیں اور سامراج اور ان کے پٹھوؤں پر واضح کر دیں کہ ساحل مکران کو سامراجی مفادات کے لئے استعمال کرنے کی سازش دفن کر دی جائے گی۔ سامراجی دیوالیہ پن نے اس کے ملکی ایجنٹوں کو عوام کے سامنے ننگا کر دیا ہے جگہ جگہ وہ عوام کے غیض و غضب کا نشانہ بن رہے ہیں۔ مزدوروں، کسانوں محنت کش عوام اور روشن خیال محب وطن عناصر کے مخالفین نہ تو جمہوریت پسند ہیں اور نہ ہی قومی حقوق کے سلسلے میں مخلص، انہیں اپنا مستقبل چونکہ تاریک نظر آ رہا ہے لہٰذا اب وہ ماضی سے ناطے جوڑتے اور سامراج کے دامن میں پناہ ڈھونڈتے ہیں انہیں افغانستان اور ایران کے عوام کی فتح مندیوں سے سبق سیکھنا چاہیئے آخر میں ڈاکٹر اعزاز نذیر نے بار کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اہل دانش کی حیثیت سے ملک کو جدید نوآبادیاتی شکنجوں سے نجات دلانے اور عوام کی حاکمیت کی جدوجہد میں آپ کی شرکت حب الوطنی کا تقاضہ ہے۔"

جام ساقی کو رہا کیا جائے، الیکشن کرایا جائے

پاکستان اسٹوڈنٹس یونین لومبا یونیورسٹی ماسکو کا مطالبہ

پاکستان اسٹوڈنٹس یونین پیٹرس لومبا پیپلز فرینڈ شپ یونیورسٹی ماسکو کی جنرل باڈی کا اجلاس ۲۶ فروری کو منعقد ہوا۔ جس میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔ قرارداد میں کہا گیا کہ یہ اجلاس نوجوانوں کے ہردلعزیز کسان رہنما، کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کی سینٹرل کمیٹی کے رکن جام ساقی کی گرفتاری پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ پاکستان سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق جام ساقی کو عدالت میں پیش نہیں کیا جا رہا ہے اور باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ان پر فوجی کیمپ میں جسمانی تشدد کیا جا رہا ہے۔ یہ اجلاس حکومت وقت کو بتا دینا چاہتا ہے کہ وہ ظلم و تشدد کی پالیسی کے ذریعے عوام دوست، جمہوریت پسندوں کے ولولوں کو نہیں دبا سکتی بلکہ حکومت کے اس رویہ سے عوام کے سیاسی شعور میں پختگی اور جمہوریت کے حصول کی جدوجہد کو اور جلا ملے گی۔ یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ جام ساقی اور دیگر سیاسی رہنماؤں کو فوراً رہا کیا جائے اور ملک میں جلد از جلد انتخابات کرائے جائیں۔

سکھر ارشد حسین

ہاریوں نے مفتی محمود کا استقبال کرنے سے انکار کر دیا

بھٹو کیلئے رحم کی اپیل کرنے کے "جرم" میں انہیں پارٹی سے نکال دیا گیا

سکھر ضلع کے قصبہ ادباڑو کا چوراہا جہاں پچھلے سال ذوالفقار علی بھٹو کے ایک جاں نثار نے اپنے آپ کو جلا کر عہد وفاداری نبھایا تھا۔ ۱۷ مارچ کے دن پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں کے استقبال کے لئے پورے ضلع سے آئے ہوئے دیوبندی مساجد کے پیش اماموں، موذنوں اور خادموں سے بھرا ہوا تھا یہ علمائے دین، سوزوکیوں، ٹرکوں، ٹریکٹر ٹرالیوں میں لدے پھندے یہاں پہنچے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی بڑے وڈیرے کی بارات اتری ہوئی ہے جب کہ مقامی آبادی دور کھڑی ان چمکیلی داڑھیوں اور صاف شفاف جبّوں کو حیرت و خوف کے ملے جلے جذبات سے دیکھ رہی تھی یہ بات تو آپ جانتے ہیں کہ "گارڈ" نے ہری جھنڈی دکھا دی ہے اور اب پاکستان قومی اتحاد کی نمائشی ریل مسجد بہ مسجد قیام کرتی ہوئی سارے ملک میں گھوم رہی ہے۔

صوبہ سندھ میں قصبہ ادباڑو ان کا پہلا پڑاؤ تھا ٹرکوں اور سوزوکیوں کا یہ اجتماع اصل میں مرہون منت تھا سندھانی گروپ ٹرانسپورٹرز کا جو دیوبندی عقیدے کے ناطے سے مولانا مفتی محمود کے حامی ہیں۔ اس اہتمام اور اجتماع کو دیکھ کر پاکستان قومی اتحاد کے لیڈران کرام کی ٹیم پھولی نہ سمائی لیکن جوں جوں مولانا مفتی محمود، نواب زادہ نصراللہ خان اور خان اشرف خان وغیرہ آگے بڑھتے گئے تو یقیناً ان پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ علمائے دین کا ہجوم جو انہیں ادباڑو میں ملا تھا وہی چہرے اور وہی صورتیں ڈہرکی، میرپور ماتھیلو، گھوٹکی اور پنو عاقل میں نظر آئیں چنانچہ جیسے جیسے یہ قافلہ آگے بڑھتا گیا لیڈران کرام کی تقریروں میں سے جوش و خروش اور تیز و تند لہجہ ختم ہوتا گیا۔ اور ڈہرکی کے بعد ان کی آتش نشانی محض دو تین منٹ کے رسمی خطاب میں تبدیل ہو گئی۔

دیہاتی عوام اور خاص طور پر ہمارے سندھی بھائی ہر بات کو صبر و تحمل سے سننے کے عادی ہیں اور جہاں عالم دین کی تقریر کا اعلان ہوتا ہے تو وہ چاہے مخالف عقیدے سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو اسلام کے ناطے سے ثواب دارین حاصل کرنے کے لئے ضرور شامل ہوتے ہیں لیکن ہم نے دیکھا کہ قومی اتحاد کی ٹیم کی آمد سے دو تین دن پہلے تانگوں اور سوزوکیوں پر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے مسلسل اعلانات اور پبلسٹی کے باوجود مقامی آبادی ان اجتماعات سے دور رہی۔ راقم الحروف نے دو ایک عینی شاہدوں سے دریافت کیا کہ آخر یہ لوگ دور ہی دور سے علماء کرام کا دیدار کیوں کرتے رہے اور ان کے قریب کیوں نہ آئے جو جواب ملا وہ حیران کن تھا کہ ہم ایسے اجتماعات میں شامل ہوں گے تو ظاہر کیا جائے گا کہ یہ سب ہمارے بندے ہیں اور ہم ان کو یہ موقع دینا نہیں چاہتے چنانچہ یہ احساس ایک غیر منظم طریقہ پر پوری آبادی میں پھیلا ہوا تھا۔ سنا ہے کہ قومی اتحاد کے ایک بڑے زمیندار کی ٹرالی خالی آئی تھی کیونکہ ان کے ہاریوں نے مولانا مفتی محمود کا استقبال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

مقامی آبادی کی طرف سے قومی اتحاد کی طرف سے سرد مہری سے استقبال کا اثر ایک بہت بڑے قومی روزنامہ کے نمائندے پر بھی پڑا جنہوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ ہر قصبے میں کیے جانے والے استقبال اور تقاریر کی رپورٹنگ علیحدہ علیحدہ کریں گے۔ اور یہ خبریں شایان شان طریقے سے شائع کی جائیں گی۔ لیکن ہم نے یہ دیکھا کہ اس روزنامہ میں قومی اتحاد ٹیم کے نام نہاد استقبال کی مکمل روئیداد بیان کرنے کے بجائے ایک ہی کالم میں ڈہرکی، میرپور ماتھیلو گھوٹکی وغیرہ میں کی گئی تقاریر کی کھچڑی چند لفظوں میں تیار کر کے نمٹا دی گئی۔

دوسری بات جو سمجھ میں نہ آئی کہ مساجد میں تقاریر کا اجازت نامہ صرف اس لئے ملا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کے نافذ کردہ جزوی نظام مصطفیٰ کے فضائل بیان کئے جائیں لیکن ہم نے دیکھا کہ اس ٹیم نے حق نمک ادا نہیں کیا ہے مولانا مفتی محمود محض اتحاد پر زور دیتے رہے اور قومی اتحاد کے باہر بیٹھی ہوئی جماعتوں کو واپس بلاتے رہے ان کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی چرواہا شام کو

سرگودھا
الطاف چغتائی

پیپلز پارٹی کی مقبولیت سے خائف جماعتیں الیکشن نہیں چاہتیں

لاہور ہائیکورٹ کے مسٹر جسٹس ذکی الدین پال نے پاکستان پیپلز پارٹی ضلع سرگودھا کے صدر اور پنجاب پیپلز پارٹی کی مجلسِ عاملہ کے رکن ملک حاکم خان اعوان ایڈووکیٹ کی نظربندی کے احکام کو کالعدم قرار دے دیا جس کی وجہ سے انہیں تین ماہ نظر بند رکھنے کی بجائے حکومت کو ڈیڑھ ماہ بعد ہی آزاد کرنا پڑا۔ ملک حاکم خان اعوان کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سرگودھا کے حکم پر تحفظ امن عامہ کی دفعہ ۳ کے تحت سرگودھا جیل میں مقید رکھا گیا تھا۔

اپنی رہائی کے بعد انہوں نے پارٹی کارکنوں کے مختلف وفود سے ملاقاتوں کے دوران کہا کہ پیپلز پارٹی پے در پے دھچکوں اور جھٹکوں کے باوجود آج بھی پاکستان کی مقبول ترین سیاسی پارٹی ہے بدترین دورِ آزمائش سے گذرنے قیادت کے فقدان، ہر طرح کی بندش اور بہتان کے باوجود پیپلز پارٹی کو عوام کی واضح حمایت حاصل ہے ملک حاکم خان اعوان نے کہا کہ یوں تو پارٹی کی مقبولیت کے حق میں بے شمار دلیلیں دی جا سکتی ہیں لیکن یہی ایک دلیل بہت کافی ہے کہ قومی اتحاد کی قیادت ایک طرف تو پیپلز پارٹی کے سیاسی طور پر ختم ہو جانے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن دوسری طرف بقول جنرل صاحب انتخاب انتخاب کی رٹ لگانے کے باوجود انہیں انتخاب نہ ہونے میں اپنی عافیت اور فلاح نظر آتی ہے دراصل پیپلز پارٹی کو غیر مقبول اور غیر مؤثر کہنے والے پیپلز پارٹی کی قوت سے خوف زدہ ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ہماری پارٹی جن حالات سے دوچار ہے ایسی صورتحال میں کوئی بھی منظم ترین جماعت کا شیرازہ بکھر جاتا لیکن ہمارے کارکنوں کے حوصلے انتہائی بلند ہیں پارٹی کی تیسرے درجے کی قیادت بھی سلاخوں اور سزاؤں میں گھری ہوئی ہے لوگ مختلف مقدمات میں ملوث ہیں قیادت کی اکثریت نا اہل قرار دی جا چکی ہے یا اس پروسس سے گذر رہی ہے کارکنوں کی سطح پر کوڑے قید بامشقت یا جرمانہ جیسی سزائیں معمول بن چکی ہیں اس کے باوجود لوگ ذوالفقار علی بھٹو کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ پارٹی کے رہنما نے کارکنوں کو تلقین کی کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور متحد و منظم ہو کر حالات کے مطابق قانون کے دائرے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پارٹی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

چراگاہ میں پھیلے ہوئے ریوڑ کو اکٹھا کرتا ہے۔

ادھر جوابِ آں غزل کے طور پر مولانا شاہ احمد نورانی سکھر شہر میں موجود تھے انہوں نے مدرسہ غوثیہ میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی جماعت پاکستان دشمن پارٹیوں سے اتحاد نہیں کریگی اور یہ کہ مولانا مفتی محمود قومی اتحاد کے غیر آئینی صدر ہیں لہٰذا سب سے پہلے وہ استعفے دیں مولانا نورانی نے موجودہ وزراء کی بدعنوانیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور انہیں چور اور گرہ کٹ قرار دیا۔ سکھر شہر بنیادی طور پر جمعیت علمائے پاکستان اور پیپلز پارٹی کے درمیان بٹا ہوا ہے۔ باقی جماعتیں خال خال ہیں لہٰذا مدرسہ غوثیہ میں عوام کافی تعداد میں موجود تھے اور جب مولانا اپنے مخصوص انداز میں گرجتے اور برستے تھے تو احاطہ پرجوش نعروں سے گونج اٹھتا تھا۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کے لئے تمام دنیا کے سربراہان مملکت اور ممتاز سیاستدانوں نے اپیل کی ہے پاکستان کے ہر طبقہ کے نمائندوں نے بھی سزا کم کرنے پر زور دیا ہے ان تمام اپیل کنندگان کے خلاف روزنامہ جسارت اور ہمنوا مسلسل پروپیگنڈہ کر رہے ہیں لیکن سکھر شہر میں آجکل ایک اپیل موضوع بحث بنی ہوئی ہے پس منظر یہ ہے کہ سکھر میں انجمن تحفظ حقوقِ

انسانی بنائی گئی ہے جس کے پاکستانی سرپرست مسلم لیگ والے ایس ایم ظفر صاحب ہیں اور سرپرست اعلیٰ صدر امریکہ جمی کارٹر ہیں چنانچہ انجمن کی رسم افتتاح میں باقاعدہ طور پر امریکی سفیر کے نمائندے نے شرکت کی تھی اور امریکی سفیر کا تعریفی خط کافی دنوں تک دوست احباب کو دکھایا گیا تھا۔ پاکستانی سرپرست ایس ایم ظفر صاحب نے واضح طور پر یہ ہدایات دی تھیں کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک ہونے والے مظالم کی تحقیقات انجمن کرے اور مفصل رپورٹ انہیں پیش کی جائے ۵ جولائی کے بعد ہونے والے واقعات کی طرف سے آنکھیں بند رکھنے کا حکم تھا لیکن ہوا یہ کہ جب امریکی صدر نے ذوالفقار علی بھٹو کے لئے رحم کی اپیل کی تو مقامی انجمن کے صدر و سیکرٹری خواجہ جاوید اور طاہر انصاری نے اپنے سرپرست اعلیٰ کی پیروی کرتے ہوئے ایک اپیل داغ دی جو اخباروں میں شائع ہو گئی خواجہ جاوید کا تعلق پگارا مسلم لیگ سے ہے اور طاہر انصاری پی ڈی پی کے عہدے دار ہیں چنانچہ اس اپیل کے شائع ہوتے ہی مقامی روزناموں میں بیان بازی کا طوفان امڈ آیا ہے اور ہر ایک اتحادی ان دونوں کو فاسق و فاجر اور کافر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے حالانکہ اپیل سے پہلے ان ہر دو اشخاص کے لئے یہی لوگ نیک تمناؤں کا اظہار کرتے رہے ہیں اور انجمن کی طرف سے دیئے جانے والے ڈنر اور پارٹیوں میں شمولیت اختیار کرتے رہے ہیں یہ بھٹو دشمنی کی انتہا ہے کہ محض سماً ایک اپیل کرنے پر قومی اتحاد کی پوری مشینری حرکت میں آگئی ہے اور ان ہر دو حضرات کو اپنی اپنی جماعتوں سے بہ یک بینی و دو گوش نکال باہر کر دیا گیا ہے جب تک یہ چیختے رہے کہ بھٹو دور میں بے انتہا مظالم ہوئے ہیں تو ہر کوئی ان کی تال پر ناچتا رہا لیکن جیسے ہی اپیل شائع ہوئی تو ان دونوں میں ہزار ہا کیڑے نظر آنے لگے اب قومی اتحاد

کے پاکباز رہنماؤں کو یاد آیا کہ خواجہ جاوید کے مرحوم والد خواجہ غلام نبی پیپلز پارٹی سکھر شہر کے پہلے صدر تھے اور انہوں نے سال ۷۶ میں ذوالفقار علی بھٹو کے لئے بھوک ہڑتال کی تھی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قومی اتحاد کی ساری قیادت محض بھٹو دشمنی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور انہوں نے صرف ایک اصول اپنایا ہوا ہے کہ اگر تم بھٹو دشمن ہو ہمارے ساتھ رہو۔ ورنہ۔ !!

پارٹی ورکروں میں جناب عبدالحفیظ پیرزادہ کی جنرل ضیاء الحق اور دیگر جنرلوں سے ملاقات ہوئی اور اس کے ساتھ ہی مخالف جماعتوں اور سرکاری اخباروں کا عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈہ زیر بحث ہے مخالف جماعتوں کا رویہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن خود پیپلز پارٹی میں موجود ایک دو حضرات کچھ اس قسم کی آوازیں نکال رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان ملاقاتوں کو نیا رنگ دینا چاہتے ہیں اور اس طرح وہ عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو کو پیپلز پارٹی کی اولین صف سے نکال باہر کرنا چاہتے ہیں لیکن باشعور ورکر حالات کا اپنے طور پر تجزیہ کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ملاقاتیں خفیہ نہ تھیں بلکہ کھلے عام ہوئی ہیں لہذا ان پر شک و شبہ بے بنیاد ہے اس کے علاوہ عبدالحفیظ پیرزادہ نے ان ملاقاتوں کے فوری بعد جناب بھٹو سے ملاقات کی ہے اور تمام صورتحال اپنے قائد کے آگے رکھ دیا ہے ورکر یہ کہتے ہیں کہ گنتی کے چند لوگ دبے لہجے میں یہ افواہیں پھیلانا چاہتے ہیں تو ان کا مقصد بظاہر پھوٹ ڈالنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ورکر یہ بھی پوچھتے ہیں کہ اگر عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو وفادار نہیں ہے تو ان کا اپنا کردار کیا ہے۔؟ اگر صرف وہی بھٹو کے وفادار ہیں تو اب تک مارشل لاء کی بلی کے سامنے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟

جناب ذوالفقار علی بھٹو کے سینیئر وکیل جناب غلام علی میمن وفات پاگئے یہ خبر سکھر کے وکلاء نے غم و افسوس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سنی۔ سکھر بار کی طرف سے ایک قرارداد تعزیت منظور کی گئی جو محض رسمی نہ تھی بلکہ دلوں سے نکلی ہوئی آہ معلوم ہوتی تھی۔

یہ بات عام طور پر کہی جا رہی ہے کہ ایک معمولی مقدمہ "فوجداری" کی غیر معمولی تیاری اور ان تھک محنت کا بوجھ اور اس کے ساتھ ہی غیر یقینی اور مایوس کن حالات کا دباؤ جناب غلام علی میمن کے لیے دل کے دورہ کی صورت میں موت کا پیغام بنا۔ ●●

کالجوں کو کھولا جائے اور طلبا کو رہا کیا جائے

ڈاؤ میڈیکل کالج اسٹوڈنٹس یونین کے کلینیکل سکریٹری جناب حسن وزیر سوشل سکریٹری اقبال حشمت، جیم خانہ سکریٹری حسن علی اور لیڈیز کلینیکل آنسہ شاداب حسین نے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ کالجوں کو فوراً کھولا جائے اور طالب علموں کا قیمتی وقت ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ پچھلے سال جب ڈاؤ میڈیکل کالج بند ہوا تھا تو جماعت اسلامی اور جمعیت نے ایک شور مچایا تھا کہ کالج بند ہے اور طلبہ کا قیمتی وقت کا ضیاع نہ کیا جائے مگر آج جب کہ ان کی اپنی حکومت ہے تو یہ جماعتی کیوں چپ ہیں کیا آج کل کالج بند نہیں ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن (پاکستان) سندھ زون کے صدر نوشاد چنیدریگر، جنرل سکریٹری توحید خان، حیدرآباد کے جنرل سکریٹری نعیم الغنی سابق جنرل سکریٹری سندھ جناب مختار عاقل، لیاقت جامی صلاح الدین گنڈاپور اور دیگر این ایس ایف پاکستان کے کارکنان کو رہا کیا جائے

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن (پاکستان) ڈاؤ میڈیکل کالج کے یونٹ سکریٹری جناب نسیم شیخانی، سندھ میڈیکل کالج کے یونٹ سکریٹری فرخ سعید، نیشنل انجینئرنگ کالج کے یونٹ سکریٹری عقاد ناریجو، کیماڑی یونٹ کے یونٹ سکریٹری سوار خان، ٹرانس لیاری کے یونٹ سکریٹری شوکت بلوچ، ڈی جے کالج کے یونٹ سکریٹری آفتاب احمد سینٹ پیٹرکس کالج کے یونٹ سکریٹری عبداللہ احمد، جامعہ ملیہ کے یونٹ سکریٹری عنصر محمود، اسلامیہ کالج کے یونٹ سکریٹری سیف الحسن، شپ اونرز کالج کے یونٹ سکریٹری قمار یوسف، سٹی کالج کے یونٹ سکریٹری محمد عارف، گورنمنٹ کالج کے یونٹ سکریٹری نعیم قریشی، اور جامعہ کراچی کے یونٹ سکریٹری صباح الدین صباح نے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن (پاکستان) سندھ کے صدر نوشاد چنیدریگر، جنرل سکریٹری توحید خان، حیدرآباد کے جنرل سکریٹری نعیم الغنی، مختار عاقل، لیاقت جامی اور صلاح الدین گنڈاپور کو رہا کیا جائے۔ اور ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کرنے پر مذمت کی ہے اور سندھ کے سابق صدر شکیل احمد پٹھان کے وارنٹ گرفتاری کو منسوخ کیا جائے ●

ایران
آریا مہر سے
آیت اللہ تک

ایران کے حالیہ عوامی انقلاب کے چشم دید واقعات پر لکھی جانے والی پہلی کتاب
تہران میں مقیم ممتاز پاکستانی صحافی
ڈاکٹر یٰسین رضوی کے قلم سے
شائع ہوگئی ہے

اب یہ کتاب التحریر اردو بازار، فیروزسنز لاہور، راولپنڈی و لاہور ائیرپورٹس کے علاوہ ملک بھر میں ہر اچھے بک سٹور پر بھی دستیاب ہے

کتاب ملنے میں دشواری ہو تو ہمیں لکھیے

میک وِن اینڈ کمپنی
۶- کرشنا مینشن، انویریٹی روڈ- صدر، کراچی
فون: ۵۱۱۴۶۱

مودودی اور شاہ فیصل ایوارڈ!

سید جعفر احمد

بادشاہت کی مخالفت بھی اور بادشاہوں سے انعامات بھی

مودودی کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ابھی تک نہیں ہوا تو ایران کے عوام نے ان سے رہنمائی کیسے حاصل کرلی؟

آج کل جماعت اسلامی کے مختلف رہنما اور جماعت کا پریس بالخصوص 'جسارت' اور 'زندگی' لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ گویا دنیا بھر میں ان کے برانڈ کا اسلامی نظام قائم ہو رہا ہے اور عالم اسلام میں ایک مولانا مودودی ہی کی ذات شریف ایسی ہے جس کے گرد تمام اسلامی ملک گھوم رہے ہیں اور مولانا مودودی ہی سب کی نظروں کا مرکز ہیں۔ جماعت کا پریس ویسے تو ہمیشہ ہی مولانا مودودی کی قدوقامت بڑھانے اور انہیں بیسویں صدی کا مجدد قرار دلوانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتا ہے مگر آج کل اس کی تگ و دو ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ نظر آتی ہے۔ چنانچہ کبھی تو شاہ فیصل ایوارڈ کے حوالے سے اور کبھی مراکش میں علاج کی پیش کش کے حوالے سے انہیں عالم اسلام کا قائد بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے۔ مولانا موصوف کی ۴۰ سالہ جدوجہد کے باوجود آج بھی ان کی جماعت کو اقتدار میں شامل ہونے کے لئے چور دروازے پر تکیہ کرنا پڑا۔

ہمیشہ سے مولانا مودودی اور ان کی جماعت کا المیہ یہ رہا ہے کہ ان کے کسی بھی موقف کو قرار نہیں رہتا۔ قیام پاکستان سے قبل وہ پاکستان کے مسئلہ پر کنفیوژن کا شکار تھے۔ اگرچہ مولانا مودودی مسلمانوں کی قومیت کے بارے میں مضامین لکھے مگر وہ قیام پاکستان کے بھی مؤید نہیں تھے۔ آج جماعت کے رہنما بشمول مولانا مودودی کے یہ بہانہ تراشتے ہیں کہ ہمیں مسلم لیگ کے طریقہ کار پر اعتراض تھا۔ مگر اس وضاحت کی حقیقت بہانے سے زیادہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ قیام پاکستان کے حامی تھے اور محض مسلم لیگ کے طریقہ کار کے مخالف تھے تو آپ نے اپنے طور پر تحریک پاکستان کیوں نہیں چلائی۔ مگر جماعت اسلامی کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا کہ اس نے مسلم لیگ سے الگ اپنی جداگانہ تحریک برائے قیام پاکستان کیوں نہ چلائی! البتہ قیام پاکستان کے بعد جب مولانا مودودی نے دیکھا کہ ملک تو بہر حال بن گیا ہے۔ اب اس میں سیاست کا کاروبار شروع کرنے کے لئے بظاہر اس کو تسلیم کرلینا ضروری ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد جماعت اسلامی نے پاکستان کو دارالاسلام قرار دے دیا۔ اور اس طرح یہاں سیاست میں حصہ لینے کی مجاز ہوگئی۔ یہ خود اس بات کی شہادت ہے کہ قرارداد مقاصد کی منظوری سے قبل جماعت پاکستان کو دارالاسلام نہیں سمجھتی تھی۔ گویا ۴۷ء سے پہلے اس کا پاکستان کے بارے میں موقف وہی تھا جس سے آج وہ انکار کرتی ہے۔

اس مثال کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت کی وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتی ہوئی سوچ کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اب اسی کو لیں کہ مولانا مودودی ملوکیت کو اسلام کے خلاف قرار دیتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے (یہ الگ بات ہے کہ خود جمہوریت کے بارے میں بھی وہ متضاد خیالات پیش کرتے رہے ہیں)، مگر بادشاہوں سے نظریاتی اور مادی رشتے استوار کرنا بھی ان کا مقبول ترین فعل رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ بادشاہت اور ملوکیت کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں تو پھر کسی بادشاہ کے نام سے وابستہ انعام دوسرے بادشاہ کے ہاتھوں وصول کرنا کس قدر عین اسلام ہے۔

مولانا مودودی شاہ فیصل ایوارڈ وصول کرنے کے لئے خود تو سعودی عرب نہیں گئے مگر انہوں نے اپنے بیٹے اور ایک اور صاحب مولانا خلیل حامدی کو انعام کی وصولی کے لئے سعودی عرب بھیجا۔ واپسی پر خلیل حامدی صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں انعام کی وصولی سے متعلق بعض تفصیلات بیان کیں۔

مثلاً انہوں نے کہا کہ مولانا مودودی اس انعام سے بالکل لاتعلق تھے۔ اور بقول ان کے مولانا مودودی کا کہنا تھا کہ مجھے اپنی اسلامی خدمات کا انعام اللہ تعالیٰ سے وصول کرنا ہے۔ مولانا نے اللہ تعالیٰ ہی سے اصل انعام کی خواہش ظاہر کرنے کے باوجود شاہ خالد سے انعام لینا کیوں مناسب سمجھا۔ اس کا جواب شاید مولانا مودودی یا ان کے نامزد کردہ نمائندے کے پاس بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ان کی سوچ کے تضاد کی پرانی بیماری ہے جس پر ان کی نظر نہیں جاسکتی۔ مولانا مودودی شاید یہ کہیں کہ انعام سے انکار کرنا شاہ خالد، جو کہ خادم حرمین بھی ہیں، کی بے عزتی تصور ہوتی، مگر مولانا اپنی جماعت کے رہنماؤں اور پریس کو اس انعام کی تشہیر سے تو منع فرماسکتے تھے، مگر ان کی جماعت مستقل اس کی تشہیر میں مصروف ہے۔ روزنامہ جسارت ایوارڈ کے سلسلے میں ایڈیشن شائع کرچکا ہے اور کوئی دن نہیں جاتا جب وہ شاہ فیصل ایوارڈ کے حصول پر مولانا مودودی کے قصیدے نہ شائع کرتا ہو۔ "جسارت" کی پروپیگنڈہ سازی کا تو عالم یہ ہے کہ اس نے اس میڈل کی تصویر بلکہ اس کے اگلے اور پچھلے دونوں حصوں کی تصویر شائع کی اور یہ بھی لکھنا ضروری سمجھا کہ سونے کے میڈل کا وزن ایک پاؤ ہے۔ گنجوں کو ناخن میسر آجائیں تو وہ جو کچھ کرتے ہیں، وہی "جسارت" اپنے صفحات کے ساتھ کر رہا ہے۔

یہاں یہ پہلو بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ مولانا مودودی کو عالم اسلام کی "خدمات جلیلہ" کا انعام ایک ایسے وقت میں دیا گیا ہے جب کہ آیت اللہ خمینی کو نہ صرف ایران بلکہ عالم گیر پیمانہ پر شہرت حاصل ہوئی ہے اور انہیں خود مغربی ذرائع ابلاغ نے ایک ایسی شخصیت کے طور پر قبول کیا ہے جس نے ایشیا کے مضبوط ترین سامراجی ایجنٹ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا اور ایرانی انقلاب کی علامت بن کر ابھرا۔ ایرانی انقلاب اور آیت اللہ خمینی کی عالمگیر شہرت کے پس منظر میں مولانا مودودی کے لئے عالم اسلام کی خدمات جلیلہ" کا ایوارڈ بجائے خود محل نظر ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ایرانی انقلاب کے دور رس

اثرات آس پاس کے پڑوسی ممالک پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ بالخصوص وہ ممالک جہاں بادشاہتیں قائم ہیں اور عوام پر عرصۂ حیات تنگ ہے وہاں ایرانی انقلاب کے امکانی اثرات کا نفوذ ناممکن نہیں۔ چنانچہ ایسے ممالک میں مستقبل کی کسی جمہوری تحریک کی پیش بندی کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف تو وہ ایرانی انقلاب اور خود آیت اللہ خمینی کی شخصیت کو کاہدنہ کریں تو دوسری طرف مذہب کے نام پر اور سامراج نواز مذہبی شخصیات کی مدد سے اپنے اقتدار کو استحکام بخشیں۔ مولانا مودودی کا پروجیکشن اسی سوچ کا مظہر نظر آتا ہے۔ اس کا ثبوت مولانا طفیل محمد کے اس بیان سے ملتا ہے جو انہوں نے ایران کے اپنے دورے کے بعد دیا۔ انہوں نے پچھلے دنوں نام نہاد عالمی اسلامی تنظیموں کے ایک وفد کے ساتھ ایران کا دورہ کرنے کے بعد بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہا کہ ایرانی عوام نے اپنے انقلاب کے لئے مولانا مودودی اور سید قطب کی کتابوں سے رہنمائی حاصل کی تھی۔ گویا ایران کے انقلاب کے ہیرو بھی مودودی صاحب ہی ٹھہرے جن کے نام سے پاکستان کی اکثریتی آبادی جو دیہاتوں میں آباد ہے واقف تک نہیں۔

میاں طفیل محمد کا جھوٹ خود انہیں کے بیان کے دوسرے حصے سے بے نقاب ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ ایرانی رہنماؤں نے ان سے کہا ہے کہ عنقریب مولانا مودودی کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ جب مولانا مودودی کی کتابوں کا ایران میں ترجمہ ہی نہیں ہوا تو وہاں کے عوام نے ان سے رہنمائی کیسے حاصل کر لی ●

****

عبید اللہ طاہر کا انٹرویو

مارشل لاء انتظامیہ نے سپریم کورٹ کو چھ ماہ میں انتخابات کرانے کا یقین دلایا لیکن..

الطاف چغتائی

جناب عبید اللہ طاہر کا تعلق ضلع سرگودھا سے ہے گذشتہ دنوں ان سے ملاقات کے دوران "تحریک فکر قائد عوام" کے قیام اغراض و مقاصد کے متعلق تفصیلاً بات چیت ہوئی آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

چغتائی: تحریک فکر قائد عوام کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟

طاہر: زندہ قومیں اپنے مشاہیر کو ان کے سنہری کارناموں پر ان کی زندگی میں ہی خراج تحسین پیش کیا کرتی ہیں لیکن اس کے برعکس ہمارے ملک میں یہ تباہ کن رسم مدت سے چلی آ رہی ہے کہ ہم اپنے عظیم قومی رہنماؤں کو ان کی زندگی میں خراج تحسین پیش کرنے کی بجائے طعن و تشنیع کی بارش کرتے ہیں۔ قائد اعظم کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ جنہیں جماعت اسلامی نے آج تک بانی پاکستان کے طور پر تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی جماعت اسلامی کے غیر منتخب وزرائے محمود اعظم فاروقی، پروفیسر غفور احمد، چوہدری رحمت الٰہی پروفیسر خورشید وغیرہ نے بھی قائد اعظم کے مزار پر حاضری تک نہیں دی ہے اس رسم کہن کو مٹانے کے لئے تحریک فکر قائد عوام کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ ہم بھی چین کی طرح اپنے عظیم قائد کے افکار اور نظریات لٹریچر کی شکل میں پھیلائیں۔

چغتائی: تحریک فکر قائد عوام نے اب تک کس قدر کامیابی حاصل کی ہے؟

طاہر: ہماری تنظیم قائد اعظم کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستانی عوام کا عظیم قائد سمجھتی ہے۔ ہم نے قائد اعظم کا سال ملک بھر میں جوش و خروش سے منایا، اور لٹریچر بھی تقسیم کیا۔ ہم اپنے عظیم قائد کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اپنے ہر ممکن وسائل کو بروئے کار لا رہے ہیں۔

چغتائی: موجودہ حالات میں آپ کی تنظیم کیا کر رہی ہے؟

طاہر: مجھے احساس ہے کہ ہم تحریک کے ہمہ گیر اغراض و مقاصد کو موجودہ حالات میں صحیح معنوں میں پورا نہیں کر سکے کیونکہ موجودہ حکومت کی بندشوں کی وجہ سے صرف چند پمفلٹ شائع کرا سکے ہیں تاہم ہماری تنظیم کے کارکن عوام کو اپنے قائد کے ارشادات اور افکار عالیہ ملک کے کونے کونے میں ملاقاتوں میں پہنچا رہی ہے۔ انتظامیہ کی ہدایت پر پریس مالکان ہمارا لٹریچر چھاپنے سے انکار کر رہے ہیں جس کی وجہ سے مشکل کا سامنا ہے

چغتائی: اس تحریک کا قیام کب عمل میں لایا گیا؟

طاہر: پنجاب میں اس تنظیم کا قیام ۴ جون ۱۹۷۷ء کو عمل میں لایا گیا۔ اس وقت کے پیپلز پارٹی پنجاب کے صدر شیخ رفیق احمد نے نیشنل سنٹر سرگودھا میں عہدیداران سے حلف لیا تھا اور میں اسی دن سے اس عہدہ پر فائز ہوں۔ ہماری تنظیم کی چیف آرگنائزر مس بے نظیر بھٹو ہیں۔

تحریک فکر قائد عوام پنجاب کے سیکرٹری جنرل عبید اللہ طاہر نے جنرل ضیاء الحق سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ فی الفور انتخابات کی حتمی تاریخ کا اعلان کریں اور ہر سیاسی جماعت کو مساوی سیاسی آزادی دی جائے۔ انہوں نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ اگر ۱۹۷۹ء میں انتخابات نہ کرائے گئے تو ملک کے مسائل میں زبردست اضافہ ہو گا اور صوبوں میں پیدا ہونے والی بدگمانیاں بڑھ جائیں گی جو ملک و قوم کے لئے نقصان دہ ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ میں موجودہ اٹارنی جنرل نے بیگم نصرت بھٹو کیس میں یقین دہانی کرائی تھی کہ چھ ماہ میں احتساب کا عمل مکمل کر کے انتخابات کرا دیئے جائیں گے لیکن اب تقریباً ایک سال اس بیان کو ہو چکا ہے جو کہ ایک ملکی اعلیٰ عدالت میں دیا گیا تھا لہٰذا سپریم کورٹ کو چاہیئے کہ موجودہ حکومت کو ہدایت کرے کہ ملک کی سب سے بڑی عدالت میں دیئے گئے بیان پر عمل کیا جائے ●

آل پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن انجینئرنگ ورکرز یونین

براہ راست بھرتی نے محکمہ جاتی ترقی کی راہیں بند کردیں

آل پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن انجینئرنگ ورکرز یونین کا جنرل باڈی اجلاس گذشتہ دنوں بمقام سی ٹی او کمپاؤنڈ کراچی زیرِ صدارت جناب محمد شفیع صاحب ڈپٹی سکریٹری جنرل منعقد ہوا۔ اجلاس کی کارروائی کا آغاز جناب قاری حشمت علی صاحب نے تلاوتِ کلام پاک سے کیا۔ اس کے بعد جناب سید ساجد رضوی جنرل سکریٹری، صدرن ریجن منتقعہ اجلاس منعقد کرنے کے اغراض و مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ۸۰ اسسٹنٹ انجینئرز کی براہِ راست بھرتی کرکے محکمہ جاتی ترقی کی راہیں بند کردی گئی ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ ایسے اسسٹنٹ انجینئرز صاحبان جو محکمہ میں دس بارہ سال سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی تنزلی کے حالات پیدا کرکے نچلے کیڈروں کو متاثر کرنا مقصود ہو۔ اور ایسے انجینئرنگ سپروائزر جو اسکیل ۱۶ و ۱۷ میں کام کررہے ہیں وہ محکمہ میں آئندہ ترقی سے محروم رہیں گے'

جناب اقبال بیگ، مرکزی صدر نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محکمہ تار و فون کی مختلف حکمتِ عملیاں محکمہ کی کارکردگی اور اہالیانِ ملک کی خدمت کو بُری طرح متاثر کررہی ہیں۔ محکمہ مذکورہ ابتری و بدحالی کے آخری دور میں پہنچ چکا ہے۔ ان پر توجہ نہیں دی گئی تو مکمل تباہی یقینی ہے۔ جب کہ یونین انتظامیہ اور حکّامِ بالا کو ہمیشہ بہتر تجاویز پیش کرتی رہی ہے۔ موجودہ قوانین جو تربیت و بھرتی سے متعلق ہیں ان کے سلسلے میں یونین کی کوششوں سے گورنمنٹ کی جانب سے پروموشن ایوینیو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اس میں بھی یونین نے موجودہ، فرسودہ قوانین کی تبدیلی کے لئے بہتر اور ٹھوس تجاویز متعلقہ کمیٹی کو پیش کی ہیں۔ جن کا اب تک کمیٹی نے اعلان نہیں کیا

جناب اقبال بیگ کے بعد دیگر مقرّرین نے محنت کشوں کے مسائل پر روشنی ڈالی اور متفقہ رائے سے قرار دادیں پیش کیں، جنہیں اجلاس نے کثرتِ رائے سے منظور کیا۔ ایڈیشنل ڈپٹی سکریٹری مرکزی جناب سیّد پرویز احمد صاحب نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محکمہ میں کام کرنے والا وہ ٹکنیکی عملہ جو ٹکنیکی اعتبار سے ٹرینڈ ہے تعلیم یافتہ ہے بلکہ تجربہ کار ہے۔ اس کے باوجود ان کی محکمہ میں کوئی قدر نہیں ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سابقہ حکومتوں میں اس قسم کی پالیسیاں وضع کی جاتی رہی ہیں کہ افسرانِ بالا کے اقربا اس محکمہ میں لاتے جاسکیں اور اس محکمہ کو تباہ کرنے کے لئے ٹریننگ پروموشن رول وضع کرکے ڈیپارٹمنٹل عملے کی نہ صرف سنیارٹی کو متاثر کردی بلکہ باہر سے بھرتی کئے جانے والے افراد کی سنیارٹیاں ان کی پیدائش سے پہلے کی رکھی جائیں۔ اس مقصد کے لئے ڈپلومہ ہولڈرز کو کئی قسم کی مراعات دی گئیں۔ اس پالیسی کے تحت کبھی ڈپلومہ ہولڈرز کو انٹر سائنس کے برابر کبھی بی ایس سی کے برابر اور کبھی بی ای کے برابر قرار دیا ہے۔ یہ سراسر ڈیپارٹمنٹل عملے کے ساتھ ناانصافی ہے۔ لہٰذا انتظامیہ اور اربابِ حل و عقد اس قسم کے قوانین کے تحت کئے گئے فیصلوں پر عمل درآمد پر پابندی لگائیں۔

جناب ایم آر بیگ جنرل سکریٹری ادور سیز ریجن نے اپنی قرارداد میں کہا کہ ڈائرکٹرز، چیف انجینئرز وغیرہ کی بھرتی براہِ راست کیوں نہیں کی جاتی جب کہ دوسری طرف چھوٹے عملے کے حقوق غصب کرنے کے لئے من مانے قوانین وضع کئے جاتے ہیں۔ آج کا یہ اجلاس مروّجہ قوانین کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مروّجہ قوانین تبدیل کئے جائیں اور ۸۰ اسسٹنٹ انجینئرز جو کہ باہر سے بھرتی شدہ ہیں ان کو ٹریننگ سے واپس بلایا جائے۔

جناب کرامت رشید صاحب صدر ریجنل کراچی نے اپنی قرارداد میں کہا کہ ریکروٹمنٹ پروموشن رولز اس قدر فرسودہ بنائے گئے ہیں جس کا کوئی صحت مند معاشرہ اجازت نہیں دے سکتا۔ ایک کیڈر جس کی نیچر آف ڈیوٹی یکساں ہے اس پر ڈپلومہ ہولڈر کو ترجیح دینا اور ٹریننگ پروموشن عارضی بنیادوں پر برسوں چلتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ برسوں ایک پوسٹ پر کام کرتے والا آفیشل کسی وقت بھی تنزلی کا شکار ہو سکتا ہے دوسری طرف محکمہ میں کام کرنے والے کارکنوں کو فرسودہ قوانین کی وجہ سے لٹکا رکھا ہے۔ برسوں کام کرنے والے ملازمین کو ناکارہ قوانین کی وجہ سے سخت اعصابی پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان تمام فرسودہ قوانین کو فی الفور تبدیل کیا جائے۔

جناب محمد حامد ریجنل جنرل سکریٹری کے ٹی آر نے اپنی قرارداد میں کہا کہ محکمہ میں کام کرنے والے ایسے تمام ٹرینڈ اور تجربہ کار عملے کو پوسٹیں نہ ہونے کی وجہ سے ترقیوں سے محروم کر رکھا ہے انہیں فوری اسکیل دیئے جائیں جیسا کہ محکمہ نے اسکیل ۱۶ دیا ہے۔

جناب منوّر چودھری پبلسٹی سکریٹری اوورسیز ریجن نے اپنی قرارداد میں انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ آؤٹ سائڈر بھرتی پر اس وقت تک پابندی عائد کی جائے جب تک گذشتہ برسوں سے کام کرنے والا ڈیپارٹمنٹل عملہ ترقی نہ پا جائے۔

ایک قرارداد جناب رشید محمد ڈپٹی جنرل سکریٹری ایس ٹی آر نے پیش کی۔ انہوں نے انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ محکمہ الیکٹرونک تنصیبات کی ٹریننگ اور دیگر نئی و پرانی تنصیبات سے متعلق ریفریشر ٹریننگ کا ٹی ایس سی اور مقامی آر ٹی ٹی ایس میں خاطر خواہ اہتمام کرے۔ نیز بیرونِ ممالک میں ٹریننگ کے سلسلے میں موجودہ طریقہ کار سفارشی عناصر کو تقویت پہنچانے کا باعث بن رہا ہے۔ تجربہ کار اور تعلیم یافتہ اور سینئر افراد کو بھیجا جائے اور خصوصاً اس عملے کو بیرونِ ممالک ٹریننگ کے لئے بھیجا جائے جو خود اپنے ہاتھ سے مشینری کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ مثلاً "ٹیکنیشن، سپروائزر، اسسٹنٹ انجینئرز"

ایک قرارداد جناب حمید اللہ دہلوی صاحب نے پیش کی۔ انہوں نے اپنی قرارداد میں کہا کہ ٹریننگ اسکولوں میں تمام پریکٹیکل لیب کو مطلوبہ سامان سے مزیّن کیا جائے۔

ایک قرارداد جناب انصار علی رانا صدر ڈویژنل نے پیش کی۔ انہوں نے اپنی قرارداد میں کہا ٹیکنیشن ٹریننگ سرٹیفکیٹ کو ڈپلومہ کے مساوی قرار دیا جائے۔ انجینئرنگ سپروائزر ٹریننگ سرٹیفکیٹ کو بی ٹیک ڈیبچلر آف ٹیکنالوجی کے مساوی قرار دیا جائے۔ اسسٹنٹ انجینئرز کی براہِ راست بھرتی کے لئے انجینئرنگ سپروائزر کو ڈپلومہ ہولڈر کی طرح اہل قرار دیا جائے۔ اس طرح

چیف انجینئرنگ کی ترقی کے لئے ہر سطح پر ۵۰ فیصد کوٹہ مقرر کیا جائے۔

ایک قرارداد جناب سعید خان نے پیش کی جو ماتحت پریشان اور بدحال عملے سے متعلق تھی جس میں آپ نے جنرل ضیاء الحق کی توجہ اس مظلوم اور بدحال ماتحت عملے کی طرف دلائی جو اس ہوشربا گرانی کے بوجھ تلے سسک اور تڑپ رہا ہے کیونکہ موجودہ مختصر تنخواہوں میں گزارہ ناممکن ہو گیا ہے اب جبکہ موجودہ حکومت اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کر چکی ہے تو اس پر یہ بھی لازم ہے کہ موجودہ سماجی اور معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں موجودہ مہنگائی کے تناسب سے اضافہ کا اعلان کرے۔ تاکہ غریب اور پریشان ملازمین کی اشک شوئی ہو سکے۔ اس قرارداد کی اجلاس نے پرزور حمایت کی اور توقع ظاہر کی کہ اس ضمن میں حکومت فوری اقدام کرے گی۔

آخر میں صدرِ جلسہ جناب محمد شفیع صاحب نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محکمہ مذکورہ کے ملازمین آج بھی اس دور میں سانس لے رہے ہیں جب اس ملک میں چند ہزار ٹیلی فون کنکشن کام کر رہے تھے۔ اب جبکہ مواصلاتی محکمہ اپنے پیروں پر کھڑا ہے تو اس کے ملازمین جو کہ تکنیکی اعتبار سے ملک کے لئے گراں قدر سرمایہ ہیں آج بھی کسمپرسی کا شکار ہیں۔

یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ محکمہ سے بدعنوانیوں، رشوت ستانیوں، خویش پروری، مفاد پرستی اور ناقص کارکردگی کو ختم کرنے کے لئے اور محنت کشوں کے جائز مطالبات کو حل کرنے کے لئے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن دیانتدار اور مخلص افراد پر مشتمل تشکیل دیا جائے اور محکمہ مذکورہ کو جلد از جلد پرائیویٹ کارپوریشن میں تبدیل کیا جائے ●

سانگھڑ

ایاز سندھی

جھوٹے ڈومیسائل کا کاروبار گجرات کی
ایک خاتون کو سانگھڑ کا سرٹیفکیٹ دیدیا گیا

سانگھڑ کے عوام کی حالت زار سندھ کے دیگر علاقوں کے عوام سے کچھ زیادہ ہی خستہ و خراب ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری جہاں ملک کے معاشی نظام پر آتی ہے وہاں اس نظام کے کل پرزے نوکر شاہی کے بدعنوان افسران پر بھی آتی ہے سانگھڑ کے مظلوم عوام کی خستہ حالی ناخواندگی پر صاحب فکر فرد کو دعوت فکر دیتی ہے ایک طرف دیہی علاقوں میں بنیادی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں اس پر تماشہ یہ کہ ایک طرف ان کا استحصال وڈیرے کرتے ہیں تو دوسری طرف سود خوروں کی زندگی سے چمٹے ہوئے ہیں جن سے جان چھڑانا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے یہاں پر پائی جانے والی ناخواندگی کی وجہ سے یہ توقع کرنا بھی فضول ہی لگتا ہے کہ مستقبل میں یہاں کے نوجوان زیورِ علم سے آراستہ ہو کر اپنے ضلع اور پورے ملک کی ترقی میں حصہ بٹا سکیں گے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اول تو ویسے ہی حصول علم مشکل ہے پر اعلیٰ تعلیم کے لئے مختلف پابندیاں ان تمام پابندیوں میں ایک بنیادی پابندی ڈومیسائل کا حصول ہے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ بغیر ڈومیسائل حاصل کئے تعلیم کا جاری رکھنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیے ضرورت مند "جعلی" اور "جھوٹے" ڈومیسائل بنوا کر اصل حقداروں کا حق غصب کرنے سے بھی نہیں باز رہتے اور حقداروں کا حق مارنے والوں کی مدد ہمارے نوکر شاہی کے راشی افسران کرتے ہیں۔ راشی افسران کو تو رشوت ملتی ہے مگر کئی مستقبل کے معمار مستقبل کی تعمیر میں حصہ بٹانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

جعلی ڈومیسائل حاصل کر کے صاحب حیثیت افراد کی اولادیں نہ صرف اپنا انفرادی مستقبل بنانے کے چکر میں رہتی بلکہ وہ ایک تیر سے دو شکار کر دیتی ہیں یعنی ایک تیر وطن عزیز کے سینہ میں اور دوسرا ڈومیسائل کے اصل حقدار کے سینے میں۔ ڈومیسائل کا اجرا کرنے کا حساب کتاب آجکل کچھ یوں ہے کہ کسی طالب علم کو اپنے ضلع اور شہر میں کسی وجہ سے اس کا حصول یا حصول کے بعد داخلے میں دقت نظر آئے وہ سانگھڑ کا رخ کرتا ہے اور یہاں کے راشی افسران اسے رشوت لے کر سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں اور وہ اصل حقدار کے مستقبل کو تاریک کر کے اپنا مستقبل روشن کر لیتا ہے۔

دوسرے شہروں ضلعوں اور صوبوں کے رہنے والے طلباء یا اچھی ملازمت کے حصول کے چکر میں رہنے والے غیر حقدار افراد کے لئے ضلع سانگھڑ ہی ایک ایسا ضلع ہے جہاں سے جعلی ڈومیسائل حاصل کرنا زیادہ آسان ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں سے جاری ہونے والے ڈومیسائل کی فہرست پر ایک نظر ڈالیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ سینکڑوں نام ایسے افراد کے اس فہرست میں موجود ہیں جو سرے سے ضلع سانگھڑ یا شہر کے رہنے والے ہی نہیں ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر ارباب حل وعقد اس طرف توجہ فرما دیں تو حقداروں کو حق میسر آ سکتا ہے اور جعلی ڈومیسائلوں پر اپنا مستقبل روشن کرنے والوں کو بھی عبرت دلائی جا سکتی ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ راشی افسران کے جعلی دھندے کو بند کیا جا سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے ہمارے خیال پر عمل کون کرائے گا ؟؟

گذشتہ دنوں یہاں پبلک سروس کمیشن کی طرف سے ایک سیٹ دیہی علاقوں کے لیے بھی مختص کی گئی تھی اور اس سیٹ کا حشر بھی ڈومیسائل کے جعلی چکر کی وجہ سے خراب ہو گیا یہاں کی رہنے والی بہت سی استانیوں نے اس سیٹ کے حصول کے لیے کوششیں تو شروع کر دی تھیں اور طریقے کے مطابق انٹرویو فارم بھی بھر کر ادارے کے افسر صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیئے گئے تھے بلکہ نتیجہ جب سامنے آیا تو تمام جائز امیدواروں کو مایوسی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی اور حیرت کیوں نہ ہوتی کہ اس سیٹ کے لئے ایک شادی شدہ خاتون جو کہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات سے تعلق رکھنے والے کی بیوی ہیں کہا جاتا ہے کہ موصوفہ نے اپنے انٹرویو فارم میں اپنے آپ کو غیر شادی شدہ ظاہر کیا اور یہاں کا جعلی ڈومیسائل بھی پیش کیا اس کے ساتھ ہی ساتھ خیال اغلب ہے کہ انہوں نے کوئی تگڑی سفارش بھی کرائی ہو گی اس سلسلے میں حقداروں نے سروس کمیشن کے چیئرمین اور سیکرٹری سے بھی رجوع کیا لیکن نتیجہ ٹائیں ٹائیں فش۔ کاش ڈومیسائل کا جعلی کاروبار کسی صورت بند ہو تاکہ مقامی حقدار افراد ہی اس سے استفادہ کر سکیں۔ اور کوئی دوسرا ان کے حقوق پر رشوت کے گھوڑے پر بیٹھ کر ڈاکہ نہ ڈال سکے۔ ※

سچ نما

حاجی عدیل

رہنما

سیاسی اقتدار کا بخار اور ہذیان

جھوٹوں کو معاف کرنے اور خطا کاروں کو درگزر کرنے والے صاحبو! جنرل صاحب، مودودی اور مفتی صاحب اور ان کے تنخواہ دار صالح و غیر صالح حواریوں کے مشترکہ سیاسی ہذیان کو اگر آپ عرق ریزی اور جانفشانی سے ترتیب دے کر مفہوم کی جستجو کریں تو ہذیان کچھ یوں ہوتا ہے۔ قوم کا فرض ہے کہ وہ آئین و قانون کا احترام کرے ــــ قوم کا فرض ہے کہ اخلاق و آداب کے دائرے میں سکڑی رہے۔ قوم کا فرض ہے کہ چور دروازے سے آنے والے حاکموں کی آمد کو اسلامی نظام کی پیش رفت خیال کرے ــــ قوم کا فرض ہے کہ پلا پئیت کو اپنی نجات کا آسمانی ذریعہ سمجھے ــــ قوم کا فرض ہے کہ اٹھائی گیروں کو اپنا نجات دہندہ و رہنما گردانے ــــ قوم کا فرض ہے کہ فوجی آمریت کو جمہوریت کا مخرج خیال کرے ــــ قوم کا فرض ہے کہ مارشل لاء کو آئینی اور قانونی اقدام سمجھے ــــ قوم کا فرض ہے کہ گندے، تعفن انگیز سماج کو اعلیٰ ترین اقدار کا وارث سماج خیال کرے ــــ قوم کا فرض ہے کہ مملکت پر اقتدار میں فوج کو بڑا حصہ دار سمجھے ــــ قوم کا فرض ہے کہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت خود کرے ــــ قوم کا فرض ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کو معیار زندگی کی بلندی سے تعبیر کرے ــــ قوم کا فرض ہے کہ سرمایہ داری، جاگیرداری، سامراج اور لوٹ کھسوٹ کو اللہ کی مرضی تصور کرے ــــ اور قوم کا فرض ہے کہ کالے کو سفید اور سفید کو کالا خیال کرتے ہوئے اپنی مفلوک الحال زندگی کو صبر و سکون سے گزار کر سفرِ آخرت اختیار کرے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

نیک دل اور سیاسی بصیرت سے مالامال صاحبو! اس کے علاوہ جتنے فرائض ہیں وہ آپ بڑی آسانی اور فراخدلی سے حکمران طبقات اور ان کے تنخواہ دار صالح و غیر صالح افراد کے کھاتے میں ڈال سکتے ہیں۔ مثلاً، آئین توڑنا، معطل کرنا ــــ آئینی حکومت کا تختہ الٹنا ــــ چند تعزیری قوانین کی اشکال کی تبدیلی کو اسلام کا نفاذ کہنا ــــ عام انتخابات کو مثبت نتائج کے انتظار میں ٹالتے رہنا ــــ سیاستدانوں کو نااہل قرار دے کر اپنے لئے میدان صاف کرنا ــــ قتل کے مقدمات بنانا، قتل کے ملزم کو عدالت کے فیصلے سے قبل قاتل اور خائن کہنا ــــ قرطاس ابیض اور ظلم کی داستان کا سلسلہ شروع کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا ــــ قوم کے خلاف گٹھ جوڑ کو قومی اتحاد قرار دینا ــــ پریس ایڈوائس، مخالف اخبارات پر سنسر اور رسالوں کی جبری بندش کو آزاد صحافت اور اظہار رائے کی آزادی کہتے رہنا ــــ سیاسی مخالفین پر کوڑے برسانا، مزدوروں پر گولیاں چلانا ــــ لمحہ لمحہ جھوٹ بولنا اور اپنے جھوٹ کو سچ کہنے پر لوگوں کو مجبور کرنا ــــ فوجی آمریت اور مارشل لاء کو قانونی حکمرانی قرار دینا اور ایسے سارے ارشادات کو اگر کوئی سیاسی بخار میں مبتلا مریضوں کا ہذیان کہنے کی جرأت رندانہ کرے تو اس کے مستقبل کو تاریک کر دینا ــــ کہئے کیسی شاندار فسانہ ادایاں اور کتنے عظیم فرائض ہیں۔

حاکموں سے زیادہ محترم قارئین۔ ہمارے خیال میں تو مارشل لاء کے معاون سیاستدانوں، مذہب کے ٹھیکیداروں اور اخلاق کے سوداگروں کے دل و دماغ اور مداری کی پٹاری میں بڑی فطری مماثلت ہے۔ اس یکسانیت پر اظہار خیال کرنا ہر امن پسند اور شریف النفس شہری کی بنیادی ذمہ داری ہے اسی لئے ہم عرصے سے یہی کام انجام دے رہے ہیں۔ خیال یہی رہتا ہے کہ شاید آج نہیں تو کل جبری اقتدار کے نشہ میں چور حضرات کے عقل کے ناخن نکل آئیں مگر ایسا ممکن نظر نہیں آتا، اگر اتفاق سے انہیں ناخن نکل بھی آئے تو خدشہ ہے کہ وہ گنجے کے ناخن ہوں گے۔ ظاہر ہے ناخن ان معنوں میں تو واقعی منفی کردار کے حامل ہوتے ہیں جبکہ مثبت کردار کے نتائج کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔

صاحبو! آج کل سیاسی دنگل کا موسم ہے اور ایک طرف جنرل ضیاء، مودودی، مودودی مارکہ ملاّ اور مفتی ہیں تو دوسری طرف مولانا نورانی اور سابق ایئر مارشل اصغر خان ہیں۔ چونکہ اصغر خان صاحب کا تعلق بھی افواج پاکستان سے رہا ہے اس لئے وہ قدرتی طور پر جنرل ضیاء کے مقابل ہیں اور مفتی محمود، مودودی اور ان کے صالح و غیر صالح کاسہ لیس مولانا نورانی میاں کے مقابل ہیں۔ اور اب اس فری اسٹائل کا دلچسپ ترین مظاہرہ دیکھئے۔ توقع تو نہیں ہے کہ مولانا نورانی کے مدمقابل باری باری اپنی قسمت آزمائیں گے اس لئے مولانا نورانی کی جیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ تن و توش، تعداد اور اندھے حمایتوں کے حساب سے مفتی اور مودودی تگڑے پڑتے ہیں۔ ایسے حالات میں ریس جوے اور سٹے کے رسیا بھی یقیناً مولانا نورانی کو نظر انداز کر کے جیتنے والے گھوڑوں، تیتوں اور نمبروں پر ہی بڑھ چڑھ کر رقمیں لگائیں گے اور دونوں ہاتھوں سے جیت کا مال بٹوریں گے۔ ایک روپے کے سوا اور ہزار روپے چند لمحوں یا گھنٹوں میں بنانے والے ماہرین اس فری اسٹائل کو نورا کشتی بھی خیال نہیں کرتے اس لئے بغیر کسی خوف کے داؤ لگا رہے ہیں۔

محترم و مکرم صاحبو! مذکورہ حقائق کے باوجود بھی ہمارے خیال میں ایک پوائنٹ مولانا نورانی کے حق میں جاتا ہے یعنی مودودی کا مریض...... اور مفتی محمود کا علیل انگوٹھا۔ اگر ان پہلوانوں کے کمزور پہلو پر مولانا نورانی کا ایک آدھ داؤ لگ جائے تو موصوف کچھ نمبر حاصل کر لیں گے۔ ورنہ ناک آؤٹ ہونے کے امکانات روشن ہی روشن ہیں ــــ جہاں تک اصغر خان اور جنرل ضیاء کا تعلق ہے تو ان کے سلسلے میں کچھ کہنا اس لئے بیکار ہے کہ دونوں اپنا پینترا (موقف) تبدیل کرنے کے سلسلے میں شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ اس لئے ان کی کشتی کے امکانات ہی نظر نہیں آتے۔ ■

پنجاب لوک کانفرنس

۲۳ مارچ کو لاہور میں منعقد ہو گی

میاں محمد شریف زاہد

۲۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو لاہور میں کل پنجاب لوک کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اس کے آرگنائزر جناب امتیاز عالم مقرر کئے گئے ہیں اس ضمن میں پنجاب لوک کانفرنس کی تیاریاں آخری مرحلہ میں داخل ہو گئی ہیں پنجاب کے مختلف اضلاع میں لوک کانفرنس کمیٹیاں تشکیل دی جا رہی ہیں تاکہ کانفرنس کو نمائندہ اور کامیاب بنایا جا سکے۔ کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے پنجاب بھر کے محنت کش تیاری اور کام کر رہے ہیں پنجاب لوک کانفرنس میں لہندے پوٹھوار اور وسطی پنجاب سے مختلف جمہوری طبقوں اور شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ محنت کش، دانشور، شاعر، ادیب، فنکار، سیاسی و سماجی کارکن شریک ہوں گے تاکہ ایک ایسا قومی جمہوری عوامی اور انقلابی پروگرام ترتیب دیا جا سکے جو ہماری دھرتی سے جڑا ہوا ہو عوام کی امنگوں کا سچا مظہر ہو اور ہمہ گیر نجات کا راستہ دکھاتا ہو اس پروگرام پر عملدرآمد کے لئے ایک ایسی تنظیم کی تشکیل کی جائے گی جو وسیع تر عوام اور ترقی پسند قوتوں کو متحرک منظم کر سکے. تاکہ عوام دوست وطن دوست جمہوری اور ترقی پسند سیاست و ثقافت کو فروغ دیا جا سکے اور عوام کے جمہوری و قومی حقوق معاشی و سماجی انصاف کے لئے ہمہ گیر جدوجہد کی جا سکے اور یہ بتایا جا سکے کہ ملک کے مختلف صوبوں اور اس میں بسنے والی مختلف قومیتوں کے درمیان عدم مساوات اور نفرت کیوں ہے چھوٹے صوبوں اور مظلوم قوموں بلوچوں سندھیوں اور پشتونوں پر قومی ظلم اور استحصال کیوں کیا جاتا ہے اس تمام ظلم و استحصال کے ذمہ دار پنجابی مہاجر استحصالی لیٹروں جو پنجاب کے محنت کشوں کا بھی بدترین استحصال کرتے ہیں کا ہاتھ کیسے روکا جا سکتا ہے مظلوم پنجاب عوامی پنجاب اور انقلابی پنجاب، دلا بھٹی، شاہ حسین، احمد خان کھرل خواجہ فرید بلھے شاہ، وارث شاہ علی داد اور عبدالرحمان شہید کے پنجاب کو لٹیروں ظالموں اور دلالوں نے کیسے لوٹا پنجاب کے اندر معاشی سماجی و ثقافتی ناہمواری اور نابرابری کیوں ہے اور اس کا خاتمہ کیسے کیا جائے اور ایک ایسی قوم وجود میں آئے جو معاشی طور پر ترقی یافتہ ہو اپنی زبان ثقافت سے جڑی ہوئی ہو جس میں کوئی اندرونی نابرابری نہ ہو پنجاب کی ثقافت اور زبان کے نو بہ نو رنگوں ماجھی سرائیکی، پوٹھواری اور دوآبی کو کس طرح اور کن خطوط پر ترقی دی جا سکتی ہے کیا یہ ثقافتیں اور بولیاں علیحدہ علیحدہ ہیں یا پسماندگی مخصوص تاریخی حالات اور نابرابری نے ان کے مابین فاصلے پیدا کر دیئے ہیں پانچ دریاؤں کی دھرتی کا قومی تشخص کیسے ابھارا جائے پنجاب کی دھرتی جو روایتی طور پر ذات پات فرقہ پرستی اور ملائیت کی تنگ نظری سے پاک صاف تھی جہاں بدھ مت پھلا پھولا گرو نانک پیدا ہوئے اور صوفیائے کرام نے اسلام کے ذریعے بھائی چارے وسعت نظری اور وسعت قلبی کا پرچار کیا آج کیوں ملائیت کے ہاتھوں فرقہ پرستی کی آماجگاہ ہے اقلیتوں کو برابری کے حقوق کیسے دیئے جا سکتے ہیں۔ پنجاب کی عورتیں پدر شاہانہ غلامی، سرمایہ دارانہ استحصال کے شکنجوں میں کیوں جکڑی ہوئی ہیں انہیں عضو معطل، باندی اور عیاشی کا کھلونا کیوں بنا دیا گیا ہے وہ سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی سے کیوں کٹی ہوئی ہیں انہیں مردوں کے شانہ بشانہ کس طرح ایک آزاد، فعال قوت بنایا جا سکتا ہے ان بنیادی نکات پر مواد اور تجزیئے ثقافتی پروگرام کے لیے نظمیں لوک گیت اور دوستوں کی شرکت کے لئے پنجاب لوک کانفرنس کے کارکن انتھک کام کر رہے ہیں۔

پنجاب میں مزدوروں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جن میں ایک طرف تو بڑے بڑے صنعتی مراکز میں مزدور طبقہ کی بڑی تعداد ہے تو دوسری طرف زرعی صنعت مثلاً رائس ملیں، فلور ملیں، جننگ فیکٹریاں اور شوگر ملیں وغیرہ کی وجہ سے مزدور طبقہ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دور دراز علاقوں تک پھیلا ہوا ہے ان علاقوں میں مزدوروں نے بے شمار ٹریڈ یونینز کھڑی کر رکھی ہیں۔ ۷۰-۱۹۶۸ء کے عرصہ میں بڑے شہروں اور قصبوں میں بے شمار ٹریڈ یونینز وجود میں آئیں اگرچہ بعض فیکٹریوں میں ابھی تک ٹریڈ یونینز موجود نہیں ہیں تو اس کی وجہ مالکان کی غنڈہ گردی ہے ورنہ مزدوروں نے اپنے طور پر ہر جگہ اپنی تنظیم بنانے کی کوشش کی ہے پنجاب میں مزدوروں کی ٹریڈ یونینز پر چار قسم کے عناصر کی لیڈرشپ موجود ہے موقع پرست اور مصلحت پسند قیادت، سرمایہ داروں کی مسلط کردہ ٹاؤٹ قیادت، ایماندار لبرل قیادت، مزدور فلسفے سے لیس نظریاتی قیادت پہلی قسم موقع پرست قیادت بہت بڑی تعداد میں مزدوروں پر مسلط ہے یہ لوگ ہر حکومت کے وفاداری اور بنیادی طور پر مصلحت پسندی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں مزدوروں میں اجتماعی انقلابی شعور کو اجاگر کرنے کے بجائے یہ مزدوروں کو انقلابی جدوجہد سے دور رہنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں عمومی طور پر اس قسم کی قیادت کی باگ

ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو خود مزدور نہیں ہیں لیکن ٹریڈ یونینز کا دھندہ کرتے ہیں نئے ابھرنے والے لڑاکا عنصر کو یا تو نوکری سے نکلوا دیتے ہیں یا لیبر ڈیپارٹمنٹ کے ذریعے ان کے قدم جمنے نہیں دیتے دوسری قسم کی قیادت مالکان نے خود مزدوروں پر مسلط کر رکھی ہے یہ نہ صرف انتظامیہ کا رول ادا کرتے ہیں بلکہ مزدوروں میں غنڈہ گردی کے ذریعے بہتر قیادت کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں تیسری قسم کی قیادت میں ایمانداری کا عنصر موجود ہوتا ہے یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مزدوروں کی خدمت کریں ان کو بہتر مراعات دلوائیں لیکن پاکستان کی تیزی سے بدلتی ہوئی سیاست میں یہ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ وہ یہ کام کس طرح سرانجام دیں گے۔ نتیجتہً یہ یا تو انتہائی لڑائی لڑ کر بد دل ہو جاتے ہیں یا پھر ٹریڈ یونینز ہی کو برا بھلا کہنا اور مزدور طبقہ سے بیزاری کا رونا دھونا شروع کر دیتے ہیں چوتھی قسم کی قیادت مزدوروں کی لڑائی کو چھوٹے عرصہ اور لمبے عرصہ کے حوالے سے دیکھتی ہے۔ اور مزدوروں کو مراعات دینے کے علاوہ انہیں مزدور فلسفہ کی بنیاد پر اس انداز میں منظم کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ مستقبل میں اداکار کا رول ادا کر سکیں۔ البتہ اس قسم کی قیادت کئی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے۔

پنجاب میں مزدوروں کی یونینز ٹریڈ اور محکموں کی پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہیں ان میں علاقائیت کا عنصر بہت نمایاں ہے مزدوروں میں اپنے اپنے محکمے کا چرچا اور خصوصی مفادات کا لگاؤ زیادہ ہے ان کو بحیثیت طبقہ منظم کرنے کی کوششیں بہت کم ہوتی ہیں بڑے بڑے محکموں کے مزدوروں میں ایسی لیبر اشرافیہ کی قیادت مسلط ہے جو ان کو دوسرے چھوٹے محکموں وغیرہ کی امداد کرنا تو کیا خود اس محکمہ کی حد تک بھی جدوجہد کرنے سے روکتے ہیں اور ہر آنے والی حکومت سے وفاداریوں کا رشتہ جوڑتے ہیں یا تو خود اس حد تک زبانی کلامی اختلاف کرتے ہیں کہ ان کو تھوڑی بہت لفٹ مل جائے یا پھر عمومی طور پر حکومت خود ایسے

اٹک

عامر احسان شاد

سیاسی قیدیوں کی ملاقات پر پابندی

جیل حکام کا توہین آمیز رویہ

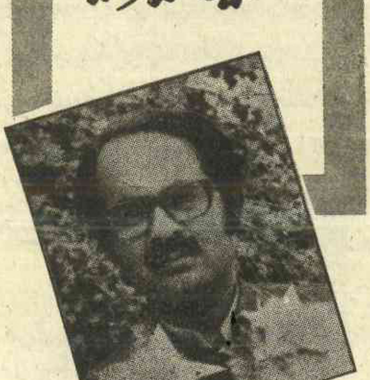

رشوت کا بازار ہر دور میں گرم رہا ہے لیکن جب سے اسلامی قوانین کا نفاذ ہوا ہے اس وقت سے اس بازار کی گرمی اپنی انتہا کو چھو رہی ہے۔ اس بازار کے خریداروں کی کسی دور میں کمی نہیں رہی لیکن آج کل تو اس بازار کا "موسم" ہے اور اس موسم کے مزے عوام "خوب" اٹھا رہے ہیں۔ ہمیں بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ان مزے اٹھانے والوں میں بعض سیاسی قیدی بھی شامل ہیں جو کبھی خدا خدا کر کے ملاقات کا پروانہ حاصل کرتے ہیں لیکن "حکام بالا" دلوار بن کر حائل ہو جاتے ہیں اور "مال" نہ لگنے کی وجہ سے ملاقات کا وقت صبح سے شام ہو جاتا ہے اور "قیدی" کے عزیز و اقارب اس انتظار کے مزے بے ٹکٹ لوٹ لیتے ہیں جبکہ اخلاقی قیدیوں کے رشتہ دار چائے پانی کروانے کے بعد اندر جا کر تفصیلی ملاقات تو کرتے ہی ہیں لیکن صبح سے شام نہ ہو تو حیرانی کی بات ہے جیل کے حکام پر شاید حکام بالا کی نظر عنایت ہے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب تو خیر نئے ہیں اور شاید اسی وجہ سے وہ اصول پرستی کرتے ہیں ورنہ اس حمام میں تو سب ہی ننگے ہیں۔ ہمیں طور پر بتایا جاتا ہے کہ ان رنگے ہوئے رنگیلوں میں سب سے زیادہ رنگے ہوئے صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہیں ذخیرہ اندوزوں اور چور بازاریاں کرنے والوں سے ان کی بہت "لگتی" ہے۔ لیکن غریب سیاسی کارکنوں سے شاید ان کو بہت "محبت" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے رقیب پیدا کرنا نہیں چاہتے اور ان کارکنوں اور لیڈروں کی ملاقات کے لئے آنے والوں کو "سوالی" بنا کر بھی ٹرخانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیاست والے سیاست تو جانتے ہیں لیکن یہ "چکر" ان کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے اسی "منہ" سے اپنی "حکی" کو آباد کرنے واپس آجاتے ہیں۔ اس سلسلے میں پیپلز پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی کے رکن اور سابق سنیٹر ایم این اے احمد وحید اختر احتجاج بھی کر چکے ہیں لیکن حکام بالا نے "جوں" کو اس طرح "سلیش" کے ساتھ اپنے کانوں پر جما رکھا ہے کہ وہ رینگنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ امید ہے کہ حکومت یا تو "جوں" کو بدلا دے گی یا اسے رینگنے پر مجبور کر دے گی۔

شہر جو شروع سے "گندگی کا شاہکار" ہے۔ اپنے اس شاہکار کو اور زیادہ "شاہ" بنانے کی کوشش کر رہا ہے صفائی کا عملہ جس میں زیادہ تعداد خواتین کی ہے وہ گلیوں میں صفائی کرنے کی بجائے ایک اعلٰے افسر کی "کوٹھی" یا "محل" میں گندم کو صاف کرتے اور رضائیاں سیتی نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہر میں "سطح مرتفع" کی "پیداوار" میں اضافہ ہو رہا ہے۔ شہر میں ندی نالوں کی بہتات ہے اور سڑکیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید کسی زمانے میں یہاں سے کوئی قافلہ گزرا تھا جس کی وجہ سے راستہ کے نشان پڑ گئے ہیں۔ "غریب" "عوام" امید کریں گے کہ ان کے "صاحب بہادر" اپنے گھر کا کام کروانے کے علاوہ کچھ کام "عوام" کے لئے بھی کروانے کا "ٹھیکہ" لیں گے کہ وہ عوام کے پیسے پر "پلتے" ہیں اور جیپوں میں سفر کرتے ہیں۔ یہ کوئی "ہینڈ آؤٹ" تو ہیں نہیں کہ جس کو دل چاہا دے دیئے۔ یہ تو اک ایسا عہدہ ہے جس پر "قسمت والے" ہی فائز ہوتے ہیں۔ یا "انگلینڈ ریٹرنڈ"۔

سنجوال آرڈیننس فیکٹری کے متعلق تفصیلاً لکھنا تو شاید ڈیفنس کے معاملات میں مداخلت ہو اور "مجھ" ناچیز کو بھی شاید "حسین نقی" کی "ہم جکی" بننے پر مجبور کیا جائے لیکن حکام بالا سے اتنا عرض ہے کہ ملک میں اسلحہ تیار کرنے والی اس بڑی فیکٹری کے ملازمین کو سٹین گنوں سے ڈرانے کی بجائے ان کے وہ معمولی معاملات منظور کر لینے چاہئیں جس کی وجہ سے کئی دنوں سے فیکٹری میں کام نہیں ہو رہا ہے اور ایک محدود اندازے کے مطابق ان معمولی مطالبات پر گورنمنٹ کا کل خرچ پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں ہوگا جبکہ اس عرصہ میں فیکٹری کے بند رہنے کی وجہ سے لاکھوں روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔

ہی لوگوں سے مزدوروں کی نمائندگی کرواتی ہے خواہ وہ سہ فریقی کانفرنس ہو یا تنخواہوں کی شرح مقرر کرنے والا کمیشن، پنجاب میں مزدوروں نے بہت سی لڑائیاں لڑی ہیں، مظاہرے، بھوک ہڑتال، جلسے جلوس کے ذریعے مزدوروں نے اپنے حقوق کا دفاع کیا ہے اور بہتر مراعات کے لئے کوشش کی ہے ملک کے عمومی سیاسی ابھاروں میں مزدوروں نے بہت حصہ لیا ہے ایوب خان سے لے کر آج تک تمام آمریتوں کے خلاف جمہوری لڑائیوں میں مزدور طبقے نے شرکت کی ہے لیکن وہ ایسا اپنے طبقے کی قیادت میں نہیں کر سکا۔ بلکہ دوسری سیاسی پارٹیوں کا جو بنیادی طور پر سامراجی نظام کی محافظ اور سرمایہ داروں جاگیرداروں کی نمائندہ ہیں ان کا دم چھلا بنا ہے۔

ہمارا ملک اس وقت سخت معاشی سیاسی اور آئینی بحران سے دوچار ہے حکمران طبقوں کی لوٹ کھسوٹ اور اندرونی مفادات کی لڑائی کی وجہ سے ملک کی اقتصادی حالت خاصی دگرگوں ہے اور ان حکمران طبقوں کے پاس اس ملک میں بہتر معاشرہ قائم کرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے بلکہ ان کی لڑائی زیادہ سے زیادہ لوٹ میں حصہ پر ہے دوسرے سامراجی نظام کو توڑنے کا کسی بھی حکمران طبقے کا کوئی پروگرام نہ تو ہے نہ ہو سکتا ہے پاکستان کے عوام سامراجی نظام سے جلد از جلد خلاصی چاہتے ہیں اور ایسی قیادت کو دل و جان سے چاہتے ہیں جو سامراج کے اس تسلط کے خلاف جدوجہد میں ان کی رہنمائی کرے لیکن پاکستان میں ابھی تک ایسی قیادت مقبول نہیں ہو سکی۔ ہر بحران محنت کش طبقہ کو پہلے سے زیادہ بدحالی میں مبتلا کر دیتا ہے کیونکہ باقی تمام طبقات اپنا بوجھ نیچے منتقل کر دیتے ہیں اس لیئے اس وقت محنت کش طبقہ مہنگائی کے ہاتھوں سخت پریشان ہے اور پھر اس کی ملازمت کا بھی کوئی تحفظ نہیں ہے الٹا مل دار مزید ایسے اختیارات طلب کر رہے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے مزدور کو ملازمت پر رکھیں یا برطرف کر سکیں اور کوئی بعید نہیں کہ نجی سرمایہ کاری کی ناز برداری میں ان کو یہ اختیارات مل بھی جائیں ملک میں اس وقت فوجی حکومت ہے دیگر مظلوم طبقوں کی طرح مزدور طبقہ تمام جمہوری اور بنیادی حقوق سے محروم ہے سرمایہ داروں اور انتظامیہ کے تیور سخت ہیں ملکی تضادات اس حد تک مرکوز ہو گئے ہیں کہ تنظیموں اور علاقائی تحریکوں کا دور گذر گیا ہے ٹکڑیوں میں تحریک کو آسانی سے دبا دیا جاتا ہے۔ اس طرح کسی ایک شعبے کی تحریک بھی اسی طرح دبا دی جاتی ہے ان تحریکوں کو ابھارنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پنجاب کی سطح پر مزدور طبقہ کو اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے منظم و متحد کیا جا سکے مزدور طبقہ کی جدوجہد کو مربوط کیا جائے موقع پرست اور ٹاؤٹ قیادت کو مزدوروں سے الگ کر کے بہتر قیادت کو آگے لایا جائے سندھ سرحد اور بلوچستان کی تنظیموں سے اشتراک عمل کر کے ملک گیر مزدور تنظیم کے قیام کے لئے جدوجہد کی جائے۔ *

سیمنٹ سیلز آفس ختم کرنے سے ہزاروں ملازمین بیروزگار ہوجائینگے

حسن رفیق

ایجیشن کمیٹی سیمنٹ یونینز لاہور کے چیئرمین حسن رفیق نے سیمنٹ کی صنعت میں مجوزہ انتظامی تبدیلیوں پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ایک اخباری بیان میں کہا گیا ہے کہ سیمنٹ کارپوریشن ملک میں کام کرنے والے ۹ سیمنٹ فیکٹریوں کے سیلز آفس ختم کر کے ایک ادارہ بنانے کے جس منصوبے پر عمل درآمد کرنے والی ہے۔ اس سے نہ صرف ہزاروں ملازمین کا روزگار خطرے میں پڑ جائے گا۔ بلکہ سیمنٹ کی پیداوار بھی بری طرح متاثر ہوگی۔ نیز عوام کو سیمنٹ کے حصول میں نئی مشکلات بھی پیدا ہو جائیں گی۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ حکومت صنعت کے لئے یکساں پالیسی بنانے میں ناکام رہی ہے۔ ایک طرف تو یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ کارپوریشنیں توڑ دی جائیں اور افسر شاہی کی جکڑ بندیاں کم کی جائیں۔ دوسری طرف سیمنٹ کارپوریشن پیداواری یونٹوں یعنی فیکٹریوں کو غیر موثر بنا کر افسر شاہی کے ہاتھ میں تمام اختیارات مجتمع کر رہی ہے۔ اسی منصوبے پر عمل درآمد کرتے ہوئے ایسوسی ایٹڈ سیمنٹ کا پشاور سیلز آفس پہلے ہی کارپوریشن نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ اس منصوبے سے ملازمین میں شدید بے چینی پائی جاتی ہے کیونکہ ان اداروں کے سیلز آفس ختم کر دینے سے جہاں چھانٹی کی جائے گی وہاں اس کے ساتھ ہی شرائط ملازمت اور قوت اجتماعی معاملہ بندی بھی کم ہو جائے گی اور ٹریڈ یونین بھی ٹوٹ جائیں گی اور یہ اقدامات غیر قانونی ہوں گے۔

حسن رفیق نے کہا ہے کہ کارپوریشن کی مداخلت ہی کا نتیجہ ہے کہ پنجاب میں ذیل پاک کا سیمنٹ فروخت کیا جا رہا ہے جو حیدرآباد سے آتا ہے اور اس طرح بہت مہنگا پڑتا ہے جب کہ انہیں پنجاب کی فیکٹریوں کا سیمنٹ دیا جائے تو بہت سستا پڑے گا۔ اور جلد مل سکے گا

ایجیشن کمیٹی کے چیئرمین نے مطالبہ کیا ہے کہ فیکٹریوں کے سیلز آفس توڑنے کا منصوبہ ختم کیا جائے۔ اے سی پشاور سیلز آفس واپس اے سی کو دیا جائے۔ نیز پنجاب کے عوام کو قریبی فیکٹریوں کا سیمنٹ مہیا کیا جائے۔

سندھ سیمنٹ ورکرز یونین روہڑی کے جنرل سکریٹری مولابخش نے ایک اخباری بیان میں بتایا ہے کہ رجسٹرار ٹریڈ یونینز حیدرآباد اور لیبر عدالت سکھر کی جانب سے سندھ سیمنٹ ورکرز یونین روہڑی کی تنسیخ کے احکامات کے خلاف سندھ لیبر اپیلانٹ ٹربیونل نے حکم امتناعی جاری کر دیا ہے۔ سندھ سیمنٹ ورکرز یونین روہڑی کی تنسیخ کے احکامات لاڑکانہ کے مزدوروں کی حمایت میں ایک گھنٹہ کی مبینہ ہڑتال کرنے کے الزامات کے تحت گذشتہ ماہ جاری کئے گئے تھے۔ ان احکامات کے خلاف یونین نے سندھ لیبر اپیلانٹ ٹربیونل کراچی میں درخواست دائر کر دی تھی۔ ٹربیونل کے ۵ مارچ کو جاری کردہ حکم امتناعی میں سندھ سیمنٹ ورکرز یونین روہڑی کی نمائندہ حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے رجسٹرار ٹریڈ یونینز کو احکامات جاری کئے گئے ہیں کہ جب تک کیس کی مکمل سماعت اور فیصلہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک روہڑی سیمنٹ ورکرز میں تاحکم کسی دوسری یونین کو اجتماعی سودا کاری کا سرٹیفکیٹ نہ جاری کیا جائے۔

مولابخش اور فیض گھانگرو نے روہڑی کے جیالے مزدوروں کو مبارک باد دیتے ہوئے ان سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے اتحاد کو مزید منظم کریں اور مزدور دشمن مفاد پرستوں کی تمام سازشوں کو ناکام بنائیں۔ یونین کی طرف سے جناب علی احمد ایڈووکیٹ پیروی کر رہے ہیں۔ **

سرحد

خلیل خان خٹک

این ڈی پی کے نئے صدر عطاء اللہؒ مینگل ہوں گے؟

"پاکستان ٹائمز" غلام فاروق کے حوالے کونسی تجویز زیرِ غور ہے

این ڈی پی میں دائیں اور بائیں بازو کے درمیان کشمکش کے حوالے سے پارٹی میں سردار عطاء اللہ خان مینگل کی شمولیت اور پارٹی کے منشور پالیسی اور پروگرام پر نظرثانی کے امکانات ان دنوں صوبہ سرحد کے سیاسی حلقوں میں عام موضوع بحث بنے ہوئے ہیں باخبر حلقوں کے مطابق سردار مینگل خان عبدالولی خان اور بیگم نسیم ولی خان کی طرف سے بعض واضح یقین دہانیاں کرائے جانے کے بعد این ڈی پی میں شامل ہو رہے ہیں۔ یہ یقین دہانیاں ولی خان کے ایک پیغام کی صورت میں تھیں جو صوبہ سرحد کے ایک سابق گورنر ارباب سکندر خان خلیل اور سابق صوبائی وزیر اطلاعات محمد افضل خان نے گذشتہ ہفتے کوئٹہ میں سردار مینگل سمیت بلوچ لیڈروں کو پہنچایا ان حلقوں کے مطابق خان ولی خان نے بلوچ لیڈروں کو یہ یقین دلایا ہے کہ اگر وہ این ڈی پی میں شامل ہو جائیں تو پارٹی میں ان کا گروپ (ولی گروپ) آنے والے کنونشن میں پارٹی کے منشور میں بلوچ گروپ کی طرف سے پیش کی جانے والی ایسی تمام ترمیموں کی حمایت کرنے کو تیار ہوگا جن کی رو سے این ڈی پی کے منشور کو کالعدم نیپ کے منشور سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔ این ڈی پی کا یہ کنونشن ۳۰ راپریل سے ۲ رمئی تک پشاور میں منعقد ہوگا۔ جس میں پارٹی کے مرکزی عہدے دار بھی منتخب کئے جائیں گے ان حلقوں کا کہنا ہے کہ ولی گروپ نے پارٹی کی آئندہ صدارت بھی بلوچ گروپ کو دینے کی پیشکش کی ہے اور خیال ہے کہ سردار عطاء اللہ مینگل کو پشاور کنونشن میں اتفاق رائے سے پارٹی کا نیا سربراہ چن لیا جائے گا این ڈی پی کے باخبر ذریعوں کے مطابق سردار شیر باز مزاری آئندہ صدارت کے امیدوار نہیں ہوں گے۔ کیونکہ پارٹی کے اندر دائیں اور بائیں دونوں بازوؤں سے تعلق رکھنے والے کارکن ان سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور محسوس کرتے ہیں کہ پارٹی کو خاص طور پر بلوچستان میں نئے سرے سے فعال بنانے کے لئے پارٹی کی قیادت بلوچ سیاستدان کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ اس صورت میں سیکرٹری جنرل صوبہ سرحد سے لیا جائے گا جس کے لئے ارباب سکندر خان کا نام لیا جا رہا ہے ارباب سکندر خان جو ولی خان کے ایلچی کی حیثیت سے بلوچستان اور کراچی کے دورے پر گئے تھے اپنے جزوی طور پر کامیاب دورے کے بعد ۱۵ مارچ کو پشاور واپس پہنچ گئے پشاور آمد کے بعد وہ چارسدہ کے قریب ولی باغ گئے جہاں انہوں نے خان ولی خان اور بیگم ولی خان کو اپنے دورے کی رپورٹ پیش کی ارباب سکندر کے قریبی ذرائع کے مطابق نواب خیر بخش مری کا موقف یہ ہے کہ پارٹی پہلے اپنے منشور میں سیکولرازم قومیتوں اور صوبائی

خودمختاری سے متعلق وضاحت پر نظرثانی کرے اور جب وہ یہ محسوس کرینگے کہ منشور کالعدم نیپ کے منشور سے ہم آہنگ ہے تو وہ این ڈی پی میں شمولیت اختیار کر لیں گے۔ ارباب سکندر نے سردار مینگل کی طرح انہیں بھی ولی خان کی طرف سے یہ یقین دہانی کرائی کہ اس سلسلہ میں اپریل کنونشن میں دوررس اہمیت کے حامل فیصلے کئے جائیں گے۔ اور پارٹی میں شامل کرانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ لیکن ان ذرائع کے مطابق نواب خیر بخش مری نے اپریل کنونشن سے پہلے پارٹی میں شامل ہونے سے معذوری ظاہر کر دی اور کہا کہ وہ کنونشن کے نتائج سامنے آنے کے بعد اپنے سیاسی مستقبل کے بارے میں حتمی فیصلہ کریں گے۔

صوبہ سرحد کے سیاسی حلقے این ڈی پی کے اس کنونشن کو بے حد اہمیت دے رہے ہیں جس میں اس بات کا قطعی فیصلہ ہو جائے گا کہ پارٹی تیزی سے بدلتے ہوئے ملکی اور علاقائی حالات کے پیش نظر ترقی پسند سیکولر لائن اختیار کرتے ہوئے بائیں بازو کی طرف جھکاؤ اختیار کرتی ہے یا بورژوا قیادت پارٹی کو ترقی پسند سیاست سے دور لے جاتے ہوئے اسے رجعت پرست پارٹی میں تبدیل کر دیتی ہے ان حلقوں کے مطابق پارٹی پر بائیں بازو کے غلبہ کی صورت میں صوبہ سرحد کی سطح پر این ڈی پی کا جن سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اتحاد ممکن ہو سکے گا ان میں پیپلز پارٹی سرفہرست ہو گی جبکہ دوسری صورت میں این ڈی پی آگے بڑھنے کے لئے قیوم مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور ہو گی۔ لیکن اس قسم کا تعاون خود پارٹی کے مستقبل کے لئے سخت مضرت رساں ثابت ہو گا اور عام کارکنوں میں جو قیوم خان سے ان کی ابن الوقتی اور موقع پرستی کے سبب سخت نفرت کرتے ہیں مایوسی اور بے چینی جنم لے گی۔

دوسری طرف صوبہ سرحد میں ان دنوں این ڈی پی کے صوبائی انتخابات کے لئے زبردست سرگرمیاں جاری ہیں صوبائی صدر کے لئے تین امیدواروں کے نام لئے جا رہے ہیں جن میں موجودہ صوبائی آرگنائزر عبدالخالق خان سابق سینیٹر حاجی حاجی غلام احمد بلور اور سابق صوبائی وزیر اطلاعات محمد افضل خان شامل ہیں لیکن اصل مقابلہ عبدالخالق خان اور حاجی بلور کے درمیان متوقع ہے کہا جاتا ہے کہ حاجی بلور کو ولی خان اور بیگم نسیم ولی خان کی حمایت حاصل ہے جبکہ پارٹی میں بائیں بازو کی طرف جھکاؤ رکھنے والے ترقی پسند کارکن سرگرم ہیں

پشاور سٹی کے الیکشن میں ولی خان کا امیدوار ہار گیا

بلور کے مقابلے میں عبدالخالق خان کے حامی ہیں اور ان کا پلہ بھاری دکھائی دیتا ہے جس کا ثبوت پشاور سٹی این ڈی پی کے حالیہ انتخابات ہیں ان انتخابات میں پارٹی کے ایک نوجوان ترقی پسند رہنما حاجی محمد عدیل نے بلور اینڈ کمپنی کے نامزد امیدوار حبیب الرحمان کو بھاری اکثریت سے ہرا دیا اس انتخاب کو پارٹی کے اندر بڑے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے گروہ کی شکست سے بھی تعبیر کیا جا رہا ہے اس حوالے سے اگر صوبائی انتخاب میں حاجی بلور کو شکست ہو گئی تو اسے براہ راست ولی گروپ کی شکست سمجھا جائے گا اس طرح کی صورتحال سے بچنے کے لئے ولی خان کے اشارے پر ارباب سکندر خان ان دنوں اس امر کے لئے کوشاں ہیں کہ ۱۴ مارچ سے پہلے کوئی ایسا فارمولا وضع کر لیا جائے جس کے تحت تمام صوبائی عہدے دار بلا مقابلہ منتخب کرائے جا سکیں۔

تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان صوبہ سرحد کے دورے کے دوسرے مرحلے پر ۱۶ مارچ کو پھر پشاور پہنچے اپنی آمد کے بعد انہوں نے پاکستان کی معیشت پر قابض ۲۲ سرمایہ داروں کے سرخیل ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ خان کے بیٹے رضا قلی خان خٹک کی شادی کی تقریب میں شرکت کی اور تقریب میں موجود خان ولی خان اور بیگم نسیم ولی خان سے علیحدگی میں بات چیت کی۔ انہوں نے سابق وفاقی وزیر تجارت غلام فاروق سے بھی مختصر گفتگو کی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نیشنل پریس ٹرسٹ کے توڑے جانے کی صورت میں پاکستان ٹائمز لاہور اور راولپنڈی ان کی تحویل میں دینے پر غور ہو رہا ہے جبکہ مشرق پر چوہدری ظہور الٰہی اپنا حق ملکیت فائق بنانے میں پیش پیش ہیں لیکن جماعت اسلامی مشرق اخبار چوہدری ظہور الٰہی کے حوالے کرنے کی حامی نہیں ہے کیونکہ وہ اسے اپنے مستقبل کے لئے خطرے سے خالی نہیں سمجھتی یہی وجہ ہے کہ جماعتی وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی نے اعلان کیا ہے کہ ٹرسٹ کے اخبارات کو نجی تحویل میں دینا مناسب نہیں ہو گا مگر چوہدری ظہور الٰہی مختلف "حلقوں" میں اپنی لابی مضبوط کرنے میں مصروف ہیں تا کہ ٹرسٹ کے ٹوٹنے کی صورت میں سونے کی یہ چڑیا ان کے ہاتھ لگ جائے غلام فاروق کے حوالے سے یہاں ٹرسٹ کے اخبارات کا ضمناً ذکر آ گیا موضوعِ سخن ایئر مارشل اصغر خان تھے موصوف پشاور سے اگلے دن مالاکنڈ ڈویژن اور شمالی علاقوں کے دورے پر روانہ ہو گئے جہاں وہ حسب معمول نہ صرف یہ کہ عام جلسے کر رہے ہیں بلکہ اپنے جلوس بھی نکال رہے ہیں۔ اور پابندی کے باوجود لاؤڈ اسپیکر پر تقریروں میں حکومت اور اس میں شامل پارٹیوں پر خوب گرج برس رہے ہیں جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں کے علی الرغم ایئر مارشل صاحب دونوں کام ساتھ ساتھ کرتے ہیں تاہم اس مرتبہ ان کی تقریروں میں لوگوں نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی ہے کہ انہوں نے جنرل ضیاء پر تنقید کا زور کم کر دیا ہے اور سارا زورِ بیان حکومت میں شامل پارٹیوں کے خلاف صرف کر رہے ہیں۔ لوگ اسے ۱۲ مارچ کی "تازہ بہ تازہ نو بہ نو" ہدایات کا نتیجہ اور کرشمہ قرار دیتے ہیں واضح رہے کہ ۱۲ مارچ کو اصغر خان نے راولپنڈی میں جنرل ضیاء سے ایک گھنٹے تک ملاقات کی تھی۔

پشاور میں صحافیوں کی سرکاری یونین کے ارکان کی اکثریت نے ان دنوں احسان طالب اور مرتضیٰ ملک ٹولے کے خلاف احتجاج شروع کر دیا ہے اور رسہ کشی نے طاقت کے مظاہرے کیلئے دستخطی مہم اور جوڑ توڑ کے بعد اخباری بیان بازی کی شکل بھی اختیار کر لی ہے جس میں ایک دوسرے پر الزامات اور جوابی الزامات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے مخالف گروپ کی قیادت مشہور اسلام پسند صحافی بشیر قریشی نکس اپ نیم اور سید شکیل احمد نمائندہ جسارت کے ہاتھ میں ہے یہ دونوں مبینہ طور پر الزام لگاتے ہیں کہ سرکار نے احسان طالب کے تو وارے نیارے کر دیئے ہمیں کچھ نہیں ملا" ملا تو آٹے میں نمک کے برابر، مفت میں بدنام ہوئے، احسان طالب ٹولے نے گزشتہ دنوں سرکار کی سرپرستی میں جعلی خیبر یونین آف جرنلسٹس اور پشاور پریس کلب کے انتخابات کا ڈھونگ رچایا لیکن اس ٹولے نے اپنی شکست کے خوف سے اور مثبت نتائج کی ضمانت حاصل کرنے کے لیے نام نہاد انتخابات میں ایسا جھرلو چلایا اور آئین کی اس طرح کھلم کھلا خلاف ورزیاں کیں کہ ممبروں کی اکثریت نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا لیکن پشاور کے صحافی ۱۳ مارچ کے اخبارات میں یہ پڑھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ جعلی خیبر یونین آف جرنلسٹس اور پشاور پریس کلب میں چند افراد کے درمیان عہدوں کی بندر بانٹ کو انتخابات کا نام دے دیا گیا ہے ٹرسٹ کے مقامی اخبار نے نہ صرف یہ کہ اس نام نہاد انتخاب کی خبر کو خوب نمایاں کر کے شائع کیا بلکہ خبر کے ساتھ فوجی عہدے داروں کی تصویریں بھی اس طرح شائع کیں جیسے قومی یا صوبائی اسمبلی کے انتخابات جیت لئے گئے ہوں۔ اسی روز اخبارات میں بشیر قریشی نمائندہ خصوصی ڈان اور شکیل احمد نمائندہ جسارت کا ایک بیان بھی شائع ہوا جسے ٹرسٹ کے اخبار نے صرف چند سطروں میں چھاپا اس بیان میں بشیر قریشی اور شکیل احمد نے یونین اور پریس کلب کے انتخابات کی آئینی حیثیت کو چیلنج کیا اور کہا کہ مرتضیٰ ملک اینڈ کمپنی دھاندلی کے ذریعہ یونین اور پریس کلب پر تسلط رکھنا چاہتی ہے انہوں نے کہا کہ انتخابات کے لئے آئینی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا اور مثبت نتائج کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے ووٹروں کی فہرست سے بعض افراد کے نام غیر قانونی طور پر خارج کر دیئے گئے جبکہ آئینی طور پر وہ ووٹ کا حق رکھتے ہیں انہوں نے الیکشن کمیٹی کی تشکیل کو بھی غیر آئینی قرار دیا اور کہا کہ اس الیکشن کمیٹی کی طرف سے جو بھی کارروائی ہوئی ہے اس کی کوئی قانونی اور آئینی حیثیت نہیں ہے۔

اس کے اگلے روز احسان طالب نے خود جواب دینے کی جرأت کرنے کے بجائے اپنے دو لعل بچوں صلاح الدین (جو احسان طالب کا بیٹا ہے) اور مقبول کاشمیری کی طرف سے ایک بیان جاری کرایا جسے ٹرسٹ کے اخبار نے خوب نمایاں کر کے دو کالمی سرخی کے ساتھ چھاپا (شاید اسے اوپر سے ایسی ہی ہدایت کی گئی ہو) اس بیان میں انہوں نے بشیر قریشی اور شکیل احمد پر یونین کے اتحاد اور کارکن صحافیوں کے مفاد کو سوچی سمجھی سازش کے تحت نقصان پہنچانے کا الزام لگایا اور کہا کہ وہ پہلے بھی صحافیوں کے اتحاد کو سبوتاژ کرنے کی سازش کر چکے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے اس پہلی سازش کی وضاحت نہیں کی لیکن باخبر صحافیوں کے مطابق ان کا اشارہ گزشتہ سال پشاور پریس کلب میں مرتضیٰ ملک اور احسان طالب کے درمیان ہونے والے اس تنازعہ سے ہے جس کے پیش نظر جنرل ضیاء نے اپنا پشاور پریس کلب کا مجوزہ دورہ عین وقت پر منسوخ کر دیا تھا۔ اور مرتضیٰ ملک اور اس کے حواریوں کا کہنا تھا کہ یہ سب کیا دھرا بشیر قریشی کا ہے۔ لیکن اب پھر احسان طالب اور مرتضیٰ ملک شیر و شکر ہو گئے ہیں احسان طالب نے مرتضیٰ ملک کو پیر و مرشد تسلیم کر لیا ہے کیونکہ سرکار کے دربار میں مرتضیٰ ملک کی رسائی زیادہ ہے دیکھیے

(باقی [illegible])

قومی اتحاد کو کسی مسجد میں جگہ نہیں دی گئی

نواب شاہ

پاکستان دشمنوں سے خبردار کے نعرے پر پابندی لگائی گئی

محمد نواز خلجی

پچھلے دنوں پاکستان قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کے رہنماؤں کا ایک گروہ سندھ کے دورے پہ آیا۔ اس گروہ میں جو لوگ شامل تھے ان کی وجہ شہرت انگوٹھا، حقہ، بیلچہ اور کھالیں ہیں یعنی جناب مفتی محمود، جناب نوابزادہ نصراللہ خان، جناب محمد اشرف خان اور جناب جان محمد عباسی۔ قومی اتحاد کو ایک جماعت قرار دینے کے باوجود بھی یہ نہ صرف اپنی اپنی جماعتوں کا نام سنبھالے ہوئے ہیں۔ بلکہ حسب توفیق علیحدہ علیحدہ سرگرم عمل بھی ہیں۔ مفتی صاحب جمعیت علماء اسلام (مفتی گروپ)، نوابزادہ نصراللہ خان پاکستان جمہوری پارٹی اشرف خان خاکسار پارٹی اور جان محمد عباسی جماعت اسلامی کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ آج کل پہلے تین حضرات کے حوالے سے ان کی جماعتیں پہچانی جاتی ہیں۔ ان جماعتوں کی قدر مشترک ۲ ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ جماعتیں قیام پاکستان، مسلم لیگ اور قائد اعظم کی مخالف رہی ہیں دوسری یہ کہ آج کل ایوانِ اقتدار کے خدام میں شامل ہیں۔ بہر حال یہ ۴ افراد پر مشتمل گروہ اپنی ان اسناد کے ساتھ سکھر اور خیر پور کے لوگوں کو محظوظ کرنے کے بعد ضلع نواب شاہ کی حدود میں داخل ہوا۔

یہ چاروں حضرات سب سے پہلے کنڈیارو شہر پہنچے جہاں خود ان کے اپنے کارکن ایک مسئلہ بن گئے جن کے نعرے یہ تھے۔ پاکستان کے دشمنو ہوشیار، خبردار۔ مستقبل کا وزیر اعظم مفتی محمود۔ ان نعروں میں نہ جانے کیا بات تھی کہ ان کی پریشانی کا سبب بن گئی۔ پتہ نہیں پاکستان دشمنوں کے خلاف نعرے کو انہوں نے اپنے خلاف نعرہ تصور کیا یا مفتی محمود صاحب کے وزیر اعظم بننے کا تصور جماعت اسلامی کو ناقابل برداشت نظر آیا کیونکہ اصغر خان کا کانٹا نکالنے کے بعد وہ وزارت عظمٰے کو اپنی میراث سمجھتی ہے۔ بہر حال فوری ایک میٹنگ ہوئی جس کی صدارت مفتی صاحب نے کی اور فیصلہ کیا گیا کہ اتحاد کے کارکنوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ نہ تو خود ایسا کوئی نعرہ لگائیں گے نہ ہی کسی کو لگانے دیں گے اور فیصلے کے مطابق یہ ہدایت دوسری جگہوں اور خاص طور پر نواب شاہ پہنچادی گئی۔

اس کے بعد یہ قافلہ سکرنڈ پہنچا۔ جہاں ایک زمیندار کے گھر ان کے کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ لیکن سکرنڈ کے لوگوں نے کچھ ایسے انداز اور ایسے نعروں سے ان کا استقبال کیا کہ ان کی بھوک اڑ گئی یا انہوں نے کھانا پینا چھوڑ کر بھاگ لینے ہی میں خیریت جانی۔

نوابشاہ شہر میں تو ان لوگوں کی آمد کا چرچا ایک ہفتے سے ہو رہا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر پر پابندی کے اس زمانے میں "تانگے پر لاؤڈ اسپیکر لاد کر اسی انداز میں تشہیر کی جاتی رہی جیسی کہ نئی فلموں کے لگنے پر کی جایا کرتی ہے۔ جنرل ضیاء نے کچھ عرصہ قبل مسجدوں اور دینی درسگاہوں میں جلسے کرنے کی اجازت دینے کا اعلان کیا تھا اور عام خیال یہ تھا کہ نیم سیاسی نیم مذہبی جماعتوں کے یہ رہنما کسی مسجد میں ہی جلسہ کریں گے لیکن شہر میں واقع کسی بھی مسجد کی انتظامیہ نے مسجد کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ پروگرام بنایا گیا کہ محکمۂ اوقاف کے زیر انتظام مسجد اور عیدگاہ کو جلسہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے لیکن نواب شاہ کے باشندوں نے اس کی بھی سخت مخالفت کی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر قومی اتحاد والوں نے ایک مقامی ہندو سیٹھ دھن راج مانو مل سے رابطہ قائم کیا جنہوں نے خوف یا مصلحت کے تحت نہ صرف یہ کہ قومی اتحاد کے لیڈروں کے لے "اپنی فیکٹری کے دروازے کھول دیئے بلکہ کھانے پینے کا بندوبست کرنے کی پیشکش بھی کی۔

شہر والوں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ ایک ہفتے کی دوڑ دھوپ اور تمام سرکاری غیر سرکاری وسائل استعمال کرنے کے باوجود بھی قومی اتحاد کے رہنماؤں کی تقریریں سننے کے لئے دو ڈھائی ہزار سے زیادہ آدمی جمع نہیں کئے جا سکے جبکہ پچھلے سال بے نظیر بھٹو کی آمد کے موقع پر بغیر کسی تشہیر کے ۸۰، ۹۰ ہزار مردوں اور عورتوں کا سمندر ابل پڑا تھا۔

اس ماحول سے مفتی صاحب اس حد تک متاثر ہوئے کہ سیدھے جلسہ گاہ میں آنے کی بجائے فیکٹری کے ایک کمرے میں گوشہ نشین ہو گئے، اسی پر بس نہیں کمرے پر پولیس کا پہرہ بھی لگوا لیا۔ اس مشکل میں نوابزادہ نصراللہ خاں کام آئے اور انہوں نے اسٹیج سنبھالا۔ نوابزادہ صاحب نے تازہ روایت کے مطابق بھٹو پر نکتہ چینی سے تقریر شروع کی لیکن انہیں یقیناً مایوسی ہوئی ہوگی کیونکہ اتحاد کے سرگرم کارکنوں (بعض لوگ جنہیں تنخواہ دار کہتے ہیں) کو بھی بھٹو کے خلاف کوئی نعرہ لگانے کی ہمت نہیں پڑی۔ نوابزادہ صاحب پرانے کھلاڑی ہیں۔ فوری موضوع بدل دیا اور نور محمد ترہ کی کی مذمت میں تقریر شروع کر دی۔ افغانستان میں حکومت کی تبدیلی کو فوجی بغاوت اور ترہ کی کی حکومت کو فوج کی پروردہ حکومت قرار دیا۔ کسی نے ہمارے کان میں کہا۔ یہ کس حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں؟ نوابزادہ نصراللہ خان کی یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ مجمع بے تعلق ہی رہا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر خاکسار اشرف خان نے تقریر نہ کرنے میں ہی عافیت جانی۔

اسی دوران مفتی صاحب کو پیغام بھیجا گیا کہ اس سے پہلے حاضرین اٹھنا شروع کریں وہ تقریر سے فارغ ہو لیں۔ ایک اتحادی ایس ایچ او یوسف ملک کے پاس پہنچے اور ۴ سپاہی فراہم کرنے کی درخواست کی تاکہ مفتی صاحب کو اسٹیج تک لایا جا سکے۔ نہ جانے انہیں کس بات کا خطرہ لاحق تھا۔ قریب ہی کھڑے ہوئے کسی ستم ظریف نے آواز لگائی کندھا بدلنے کے لئے بھی لوگوں کی ضرورت پڑے گی۔ بلدیہ سے بھی رجوع کرو۔ بہرحال کچھ دیر بعد مفتی صاحب کمرے سے برآمد ہوئے اور ۴ سپاہیوں کے جلوس میں پہلے بیت الخلاء گئے پھر اسٹیج پر آئے۔

مفتی صاحب بھی لکیر کے فقیر نکلے۔ انہوں نے بھی بھٹو کی ہجو سے تقریر شروع کی پھر افغانستان کی حکومت کی مذمت میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے وہی باتیں دہرائیں جو لوگ صبح سے شام تک سنتے رہتے ہیں اور اب تو ڈیڑھ سال سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ افغانستان کے بارے میں مفتی صاحب کی تقریر میں وہ سب باتیں شامل تھیں جو پاکستان میں بتائی جانے والی خبروں میں ہوتی ہیں۔ ان کی تقریر کے دوران زیادہ تر دو نعرے لگ رہے تھے مفتی محمود زندہ باد۔ نعرہ رسالت۔ جب مفتی محمود زندہ باد کا نعرہ لگتا تو مفتی صاحب تقریر روک دیتے تھے لیکن جب نعرۂ رسالت لگتا تو وہ رکنا ضروری نہ سمجھتے۔ جب نعرۂ رسالت زیادہ لگنے لگا تو اسٹیج سے آواز آئی "شرارت ہو رہی ہے۔ اس پر بہت سے لوگ جلسہ گاہ سے چلے گئے کیونکہ نواب شاہ میں جو لوگ پی پی پی کے ساتھ نہیں ہیں ان کی بہت بڑی اکثریت مولانا نورانی کی حامی ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے نواب شاہ میں قومی اتحاد سے بیزاری میں اضافہ ہو گیا ہے۔

قومی اتحاد کے قائدین کے دورے کی سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ نوابزادہ نصراللہ خان صاحب نے دوران تقریر فرمایا کہ ان کا دورۂ سندھ پنجاب کے مقابلے میں زیادہ شاندار اور کامیاب رہا ہے۔

عوام کو فیصلہ کرنے دیجئے، وہ آزادی چاہتے ہیں یا غلامی

اسلامی سربراہی کانفرنس کے مینار کی تختی "صفائی" سے قبل ▲

▼ "صفائی" کے بعد

گھٹیا حرکت اور شرمناک اعلان

نمائندہ خصوصی

موجودہ سیاست میں جو نظریہ ضرورت کی کوکھ سے پیدا ہوئی ہے انتقام اور جنون کی کتنی تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پچھلے دنوں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کی یادگار پر نصب تختی سے سربراہ کانفرنس کے چیئرمین جناب بھٹو کی افتتاحی تقریر کا وہ اقتباس کھرچ دیا گیا، جس میں کہا گیا تھا کہ "صدیوں سے ہم بھی تقدیر بدلنے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ اب وہ منزل آ پہنچی ہے۔ ایک نئی صبح کی آمد اب کوئی موہوم امید نہیں ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ غربت اور ناداری ہی ہمارا مقسوم ٹھہرے، یا ذلت و خواری کو ہم اپنا ورثہ سمجھیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ دنیا میں ہم محض جہالت اور ناخواندگی کی وجہ سے پہچانے جائیں۔" (دوسری اسلامی سربراہ کانفرنس منعقدہ ۲۲ فروری ۱۹۷۴ء)

یہ کسی کی انفرادی حرکت نہیں ہو سکتی، کیونکہ پاکستان کا کوئی باشعور شہری اپنے ہاتھوں اپنی تقدیر مٹانے کی حرکت نہیں کر سکتا۔ کیا لوگ یہ نہیں جانتے کہ سامراج صدیوں سے تیسری دنیا کے ممالک کے خام مال اور معدنی ذخائر لوٹ کر اپنے خزانے بھر رہا ہے اور ان ملکوں کو اقتصادی طور پر غلام بنا کر اپنی پالیسی اور احکامات ڈکٹیٹ کراتا ہے۔ تیسری دنیا کے اسلامی ممالک نے سامراج کے ان ہی ہتھکنڈوں کے خلاف پہلی بار تیل کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ لاہور میں ۲۲ فروری ۱۹۷۴ء کو اسلامی سربراہوں کی یہ کانفرنس اس طاقت کو مستحکم کرنے کی جانب پہلا مضبوط موثر اور تاریخی قدم تھا۔ آئندہ عالمی سیاست میں رونما ہونے والے واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلامی سربراہ کانفرنس کے

انعقاد سے امریکی سامراج اور اس کے حاشیہ برداروں کی صفوں میں کتنی گھبراہٹ اور کھلبلی مچی تھی؟

اسلامی سربراہ کانفرنس کے چیئرمین جناب بھٹو کی تقریر کے متن اور مفہوم سے کوئی پاگل یا سامراج کا تنخواہ دار ایجنٹ ہی اختلاف کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ پاکستان کا کوئی محب وطن، سامراج دشمن اور روشن خیال شہری سامراجی ملکوں کی اقتصادی غلامی سے نجات کے تصور کی حمایت میں تقریر کے اقتباس کو مٹائے گا۔ یہ دراصل ان لوگوں کی کھلم کھلا سازش ہے جو ملک میں سامراجی اثرات کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک امریکہ کا غلام بنا رہے اور اس کا تیسری دنیا کے اسلامی ممالک سے رشتہ مستحکم نہ ہو سکے بظاہر یہ لوگ اسلامی ملکوں سے دوستی اور برادرانہ تعلقات کا بلند و بانگ دعویٰ کرتے ہیں مگر درپردہ اسلامی ملکوں کے اس عظیم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں جس سے امریکہ اور یورپ کے سرمایہ دار ممالک لرزہ براندام ہیں۔ عوام خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی سربراہ کانفرنس کے چیئرمین کی تقریر کا اقتباس مٹانے والے کون لوگ ہیں اور انہوں نے کس کے اشارے پر یہ مذموم اور قوم دشمن حرکت کی ہے۔

زندہ قومیں اپنی یادگاروں کو محفوظ رکھتی ہیں اور اس بات پر فخر کرتی ہیں کہ ان کے اسلاف نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں تو عجیب و غریب روایتیں ہیں جن پر دکھ بھی ہوتا ہے اور ندامت بھی۔ ایک جانب تو اسلامی سربراہ کانفرنس کی یادگار پر نصب تختی کی عبارت مٹانے کی انتہائی گھٹیا حرکت کی گئی اور دوسری جانب سامراجی یادگار کو محفوظ کرنے کا شرمناک اعلان کر کے پوری قوم کا سر ندامت سے سرنگوں کر دیا گیا۔ برطانیہ کے ایک فوجی جریدہ دی آرمی کوارٹرلی اینڈ ڈیفنس جرنل نے انکشاف کیا ہے کہ حکومت پاکستان کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج کوئٹہ میں واقع فیلڈ مارشل منٹگمری کے اس مکان کو ان کی یادگار کے طور پر محفوظ کرے گی، جس میں وہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک مقیم رہے۔ کالج کے سربراہ میجر جنرل وجاہت حسین نے فیلڈ مارشل منٹگمری کے وارثوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اس عظیم جنرل سے متعلق اشیا اس یادگار مکان میں رکھنے کے لئے بطور عطیہ فراہم کریں۔ برطانیہ کے فوجی حلقوں نے حکومت سے اس اقدام کی زبردست تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے عظیم جنرلوں میں سے ایک جنرل کے لئے کسی بیرونی فوج کا یہ زبردست خراجِ عقیدت ہے۔

برطانیہ کے فوجی جریدہ نے لکھا ہے کہ فیلڈ مارشل منٹگمری نے اپنے نمایاں فوجی کیریئر کا ایک حصہ اسٹاف کالج کوئٹہ میں چیف انسٹرکٹر کی حیثیت سے گذارا تھا' اور جس مکان میں ان کی رہائش تھی وہ مونٹی ہاؤس کہلاتا تھا۔

فیلڈ مارشل منٹگمری برطانوی سامراج کی طاقت کا نشان تھا جس کے بل بوتے پر برطانیہ نے ہندوستان پر قبضہ کر کے عوام کو اپنا محکوم بنالیا تھا۔ کیا اس کی یادگار محفوظ کرنے والوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ برطانیہ اور اس کی فوج سے لڑتے ہوئے برصغیر کے لاکھوں عوام نے جامِ شہادت نوش کیا۔ طویل جدوجہد اور بڑی قربانیوں کے بعد ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل ہوئی۔ تاریخ کا یہ ورق اتنا پرانا بھی نہیں ہوا ہے کہ یہ ہمارے ذہنوں سے مٹ جاتے۔ کل تیس برسوں کی بات ہے لیکن ہم نے اتنی قلیل مدت میں ہی تاریخ کے اس عظیم ورق کو ورق ورق کر دیا۔ اور اس غیر ملکی فوج سے تعلق رکھنے والے شخص کو ہیرو کے طور پر قبول کر لیا جس نے ہماری آزادی چھین لی تھی اور ہمارے گلے میں غلامی کا طوق ڈال دیا تھا۔

اب یہ پاکستان کے عوام کو فیصلہ کرنے دیا جائے کہ اسلامی سربراہ کانفرنس یادگار کی سامراج دشمنی عبارت مٹانے کی سازش کے پیچھے کون لوگ ہیں اور کس کا ذہن کام کر رہا ہے؟

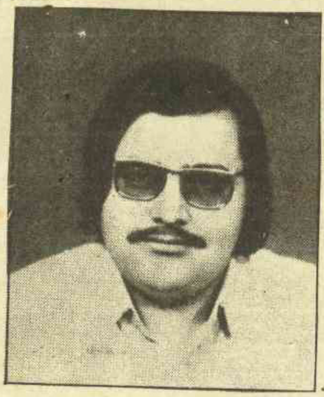

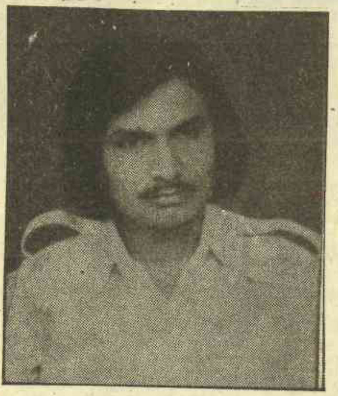

شہدادپور — نثار بالاوی

انہیں ہر دور میں گرفتار کیا جاتا ہے

آج کل کسی کو اور شاید حکومت کو بھی یہ پتہ نہیں ہے کہ پاکستان میں کل کتنے آدمی سیاسی الزامات کی بنا پر سزائیں کاٹ رہے یا نظر بند ہیں۔ ملک تو ملک کسی صوبے ضلعے یا شہر تک کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ قید اور گرفتار ہونے والوں کی تعداد کیا ہے۔ یہی صورتِ حال ضلع سانگھڑ کی بھی ہے۔ جن لوگوں کے متعلق ہمیں علم ہے ان کی تعداد بھی خاصی ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی لوگ ہیں جو آج کل نظر نہیں آتے اور ان کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ وہ قید ہیں، نظر بند ہیں یا گرفتاری سے بچنے کے لئے کہیں اور چلے گئے ہیں۔

ضلع سانگھڑ کے جو سرکردہ لوگ پچھلے دنوں جیلوں میں رہے ان میں عبدالسلام تھیم، عبدالواحد

۸ ابوبکر زرداری اپنے ساتھیوں کے ہمراہ

۸ عبدالسلام تھہیم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ

ڈاکٹر میر بیگ

عبدالسلام تھہیم

بروہی، ڈاکٹر حاجی خان تالپور، مجاہد غلام رسول، عبدالرزاق سومرو، عبداللہ دریاہ، سید علی ڈنو شاہ، بابر سومرو اور عبدالستار تھہیم شامل تھے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ عبدالرزاق سومرو اور بابر سومرو ایک ساتھ جیل میں رہے ہیں۔ انہیں قید کرنے والوں کو پتہ ہو یا نہ ہو مگر ضلعے اور ضلعے کے باہر کے لوگ جانتے ہیں کہ عبدالرزاق سومرو صرف ایک سیاسی کارکن ہی نہیں بلکہ اندرون سندھ کے معروف مزدور رہنما ہیں اور بابر سومرو ان کے بیٹے ہیں۔

اسی طرح پیپلز پارٹی کے رہنما اور صوبائی اسمبلی کے سابق امیدوار عبدالسلام تھہیم، طالب علم رہنما عبدالستار تھہیم ان کے بھتیجے ہیں۔ اس طرح ایک سیاسی سوچ رکھنے والی دو نسلیں ایک ساتھ آزمائش کی گھڑیاں گزار رہی ہیں۔

ان لوگوں کے علاوہ ایک اور طالب علم رہنما ابوبکر زرداری بھی قید ہیں۔ موصوف جیئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنما رہے ہیں، سندھ یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے صدر منتخب ہوتے تھے اس زمانے میں ان میں اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ ایاز میں کافی ان بن رہی۔ زرداری اور ان کے ساتھی شیخ ایاز پر دباؤ ڈالتے رہے کہ وہ یا تو ان طلباء کو رہا کرائیں جنہیں بھٹو حکومت نے گرفتار کر لیا تھا یا پھر استعفیٰ دے دیں۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی مطالبہ مانا نہیں گیا۔ البتہ ابوبکر زرداری کو اس وقت کے حکومت سندھ کے وزیر جناب بدیع الحسن زیدی کو اغوا کرنے کے الزام میں ان کے گاؤں لنڈو تحصیل شہداد پور سے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ مارشل لا حکومت کے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا تھا رہائی کے بعد ایک ملاقات میں انہوں نے کہا تھا کہ "بھٹو حکومت سے یہ حکومت پھر بھی ٹھیک ہے"۔ لیکن آج صورتحال یہ ہے کہ ابوبکر زرداری پھر جیل میں ہیں اور پیپان کے رہنما عبدالستار تھہیم سے بحث مباحثے کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ وہ کیوں بھٹو حکومت کے دوران بھی جیل میں تھے، اور آج بھی ہیں۔

اسی طرح مسٹر عبدالواحد بروہی بھی حیران ہیں کہ

بےنظیر بھٹو عبدالستار تھہیم کے ہمراہ

انہیں تو سیاست میں حصہ لینے کے لیے نا اہل قرار دیا جا چکا ہے اور پھر ذیابیطس کی بیماری انہیں بہت

عبدالواحد بروہی

کم گھر سے نکلنے دیتی تھی۔ پھر کون سی وجہ ہے کہ ان کی گرفتاری کو ضروری بلکہ لازمی سمجھا گیا۔

اسی طرح ڈاکٹر حاجی خان تالپور بھی تعجب میں مبتلا ہیں کہ انہیں کیوں جیل کی زینت بنایا گیا جب کہ وہ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں بھی "میر گروپ" سے تعلق رکھتے تھے اور کافی عرصے سے خاموشی کی زندگی گزار رہے تھے۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق عبدالرزاق سومرو اور ان کے بیٹے بابر سومرو کو ہائی کورٹ سندھ کے حکم پر رہا کر دیا گیا ہے۔

بقیہ : سرحد

بھی رہی احسان طالب کو آگے لائے تھے ورنہ احسان طالب کی اپنی حیثیت کیا ہے۔ چہ پدی چہ پدی کا شوربہ!

احسان طالب ٹولے کے خلاف کارکنوں کی جنگ اب

وقت شدت اختیار کر گئی جب قومی علاقائی اخبارات اور خبر ایجنسیوں کے رپورٹروں اور نمائندگان خصوصی نے اس وقت تک کے لئے پریس کلب میں ہونے والی پریس کانفرنسوں اور دوسری تمام تقریبات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا جب تک پریس کلب پر احسان طالب کا ٹولہ ناجائز طور پر قابض ہے۔ اس بائیکاٹ کا اعلان کرنے والوں میں روزنامہ جنگ کے مقامی بیورو چیف ایس ایم رضوی ڈان کے نمائندہ خصوصی بشیر قریشی، اے پی پی کے بیورو چیف اشرف مرزا پی پی آئی کے بیورو چیف ثناء اللہ، مسلم اور ملت کے بیورو چیف ایم آئی لسکر، روزنامہ خیبر میل کے چیف رپورٹر شیخ سلیم اللہ جسارت کے نمائندہ خصوصی سید شکیل احمد، انقلاب کے اسٹاف رپورٹر سجاد شیدائی، مشرق کے چیف رپورٹر عبدالواحد یوسفی اور مشرق کے سینئر اسٹاف رپورٹر حفیظ قریشی شامل ہیں اس بائیکاٹ کے اعلان سے احسان طالب ٹولے میں کھلبلی مچ گئی اور اس نے اپنا راج سنگھاسن ڈولتا دیکھ کر سازشوں کو ٹھکانے لگانے کے طور طریقوں پر غور شروع کر دیا

اس دوران وفاقی وزیر حاجی محمد زمان اچکزئی کی ایک تقریب میں ٹرسٹ کے دو مقامی رپورٹروں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔ اس جنگ میں احسان طالب اور مرتضیٰ ملک ٹولے پر سب سے کاری وار مسلم اور ملت کے بیورو چیف ایم آئی لسکر نے کیا ہے جنہوں نے اپنے طویل بیان میں ان دونوں غداران صحافت کا تمام کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا ہے واضح رہے کہ ایم آئی لسکر دو سال تک احسان طالب اور مرتضیٰ ملک کے ساتھ ایک ہی کشتی میں سوار رہے ہیں اور انہوں نے پشاور میں ہونے والے نام نہاد جعلی پی ایف یو جے کے کنونشن میں بحیثیت ڈیلیگیٹ شرکت کی تھی اس اعتبار سے وہ درون خانہ کے تمام رازہائے سربستہ کا پردہ چاک کرنے کیلئے سب سے معتبر اور ثقہ شخص ہیں۔

بقیہ : غنیوں کی ڈائری

کیا اور کراچی پریس کلب میں ایک عدد "خطرناک پریس کانفرنس کو خطاب کیا۔ مفتی صاحب اور نواب زادہ صاحب کے اس دورے کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے کریم آباد کے پاس "کراچی کے باڑہ" کے اسمگلروں کو خطاب کیا۔ اور سب سے آخر میں بیچ لگژری ہوٹل میں ٹیکس کے چوروں یعنی امیر لوگوں (معذرت کے ساتھ، کیونکہ بقول اُن کے سوہارے کے وہ سرمایہ دار نہیں بلکہ ٹیکس کے چور ہیں اور انہیں سرمایہ دار نہیں۔ بلکہ امیر لوگ کہا جائے) کی "ضیافت" میں شرکت کی۔

کراچی پریس کلب میں مفتی محمود اور نواب زادہ نصر اللہ خان کی پریس کانفرنس انتہائی دلچسپ تھی کیونکہ دونوں صاحبان کا جمہوریت نوازی کا سارا ملمع اتر گیا، جب کہ مولانا جان محمد عباسی سارا عرصہ کرسی میں دھنسے بیٹھے رہے کہ کہیں کسی اخباری نمائندے کی ان پر نظر نہ پڑ جائے اور سوال کا جواب نہ دینا پڑ جائے۔

سب سے پہلا سوال اخبارات کی آزادی کے بارے میں تھا مفتی صاحب کہنے لگے"۔ دیکھئے جی اقتدار فوج کے پاس ہے۔ ہم نے تو فقط جمہوریت اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے حکومت میں شمولیت کی ہے ہم تو فقط ان دو چیزوں کے بارے میں ذمہ دار ہیں۔ باقی آزادئ صحافت کے بارے میں فوج ہی ذمہ دار ہے"۔ مفتی صاحب کا جواب سن کر لوگ سکتے میں آگئے کیونکہ آزادئ صحافت بھی جمہوریت کا ہی ایک حصہ تھی، مگر کیا کیا جائے کہ یہ مفتی صاحب کا فتویٰ تھا، بہرحال ایک اخباری نمائندے نے سوال کیا کہ "اگر آپ کی منطق کو تسلیم کیا جائے تو بھی اختیارات کی آزادی پر لگائی گئی قدغن کے ان اقدامات کے تو آپ ذمہ دار ہیں جو آپ کی حکومت میں شمولیت کے بعد لگی"۔ تو مفتی صاحب پریشان ہو گئے اور الٹا سیدھا جواب دیا کہ جی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جس پر ایک دوسرے اخباری نمائندے نے پوچھا کہ کیا اطلاعات کے وفاقی وزیر فاروقی صاحب' جو پی این اے کے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے؟ مفتی صاحب جواب کیا دیتے' خاموش ہو گئے۔

نواب زادہ صاحب نے جب دیکھا کہ مفتی صاحب پھنس گئے ہیں تو ان کی جان چھڑانے کے لئے خود کود پڑے اور سوالات کے جوابات دینے لگے۔ ایک اخباری نمائندے نے نواب زادہ صاحب سے سوال کیا کہ "حکومت میں شمولیت کے وقت آپ نے اعلان کیا تھا کہ ہم اس وعدے پر حکومت میں شامل ہو رہے ہیں کہ آئین میں کوئی بنیادی ترمیم نہیں کی جائے گی جب کہ بعد میں خود پی این اے کے مطالبے پر آئین میں ترمیم کر کے جداگانہ انتخابات کی شق شامل کی گئی۔ نواب زادہ صاحب اس سوال پر اتنے حواس باختہ ہوئے کہ کہنے لگے، کہ میں اس ترمیم کو بنیادی نوعیت کی سمجھتا ہی نہیں۔ جس پر ایک اور اخباری نمائندے نے ان کی توجہ مبذول کرائی کہ ۱۹۵۶ء کے آئین کی تیاری کے وقت سب سے بڑا مسئلہ ہی یہ تھا کہ انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط' اور ان کے اس وقت کے رہنما حسین شہید سہروردی نے اس مسئلے پر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا' نواب زادہ صاحب نے جواب دیا کہ "جناب' اس وقت حالات اور تھے اور اس وقت حالات اور ہیں"

اس جواب پر پورے ہال میں ایک زبردست قہقہہ پڑا جس میں جماعتیے صحافی بھی شامل تھے اس طرح نواب زادہ صاحب اور مفتی صاحب نے جو خود کو جمہوریت کا چیمپئن سمجھتے تھے "فراریت" قبول کر لی تھی اور ہر سوال کا جواب بغیر سوچے سمجھے دینا شروع کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر جماعت اسلامی کراچی کے رہنما محمد اطہر اٹھے اور مفتی صاحب کو گھڑی دکھا کر اٹھنے کو کہا اور مفتی صاحب کے چہرے پر رونق لوٹ آئی اور کہنے لگے۔ "بس جی شکریہ' پریس کانفرنس ختم۔ اس طرح جماعتیوں نے پرانے شو بوائز کی جان چھڑائی۔

ادھر پی این اے کے قریبی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ان کے رہنماؤں کے حالیہ پنجاب اور سندھ کے دوروں کا مقصد پنجاب اور سندھ کے لوگوں کی سوچ کا تجزیہ کرنا تھا کہ اگر پی پی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے دی جائے تو کیا ردِ عمل ہو سکتا ہے' معلوم ہوا ہے کہ سندھ کا دورہ مکمل کرنے کے بعد مفتی صاحب نے اپنی ابتدائی رپورٹ جنرل ضیا صاحب کو بھیج دی ہے جس میں انہیں بتایا گیا ہے کہ پنجاب اور سندھ کے عوام بھٹو کو پھانسی دیئے جانے پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کریں گے۔

بقیہ : اسلام آباد

تین چوتھائی حصہ صدر ترہ کئی کی حکومت کے زیر اثر نہیں بلکہ آپ کے زیر اثر ہے تو پھر آپ پاکستان میں کیا لینے آئے ہیں جواب ملا۔ ہم مسلح جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہم پاکستان میں افغان سرحد کے قریب کسی جگہ ہیڈ کوارٹر بنائیں گے۔ اخبار نویسوں نے سوال کیا کہ کیا آپ نے اس پریس کانفرنس کے بارے میں حکومت سے اجازت لی ہے جواب ملا ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ بھلا جماعت اسلامی بلکہ اصل حکومت خود

نساتھ ہو تو پھر ظاہری حکمرانوں سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اس ملک کے فوجی حکمرانوں سے پوچھتے ہیں کہ ان کی عقل پر اتنے پردے کیوں پڑ گئے ہیں کیا انہیں تمام صورت حال اس طرح نظر نہیں آتی جیسے کہ ہے۔ اگر تم نے ویت نام کے سفیر کو پاکستان میں پریس کانفرنس کی اجازت نہیں دی تو کس ضابطے' اصول اور جذبے کے تحت افغان علما کی جماعت اسلامی کے ذریعے کرائی گئی اور اس کانفرنس کا نوٹس نہیں لیا گیا۔ کیا جماعت اسلامی کا یہ اقدام ملک دشمنی میں نہیں آتا۔ پھر حکومت کس منہ سے کابل میں اجمل خٹک کی کسی سرگرمی پر افغانستان کی حکومت سے احتجاج کر سکتی ہے اگر جماعت اسلامی سارے اقدام حبّ علیؓ میں کرتی شاید ہم خاموش رہتے مگر بغض معاویہ میں یہ جماعت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اب اس کے مختلف اقدام ملک کی سالمیت کے لئے خطرہ بن رہے ہیں۔

جماعت اسلامی اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے ہر وہ اقدام کرنے پر تلی ہوئی ہے جو ہو سکتا ہے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق اپنی سادگی میں اس جماعت کے آلہ کار بن رہے ہیں دراصل ان کی اپنی خواہشات بھی ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد آنے والے تمام چیف آف دی اسٹاف کے لئے یہ موقعہ آئینی طور پر فراہم کر دیا جائے کہ وہ جب چاہیں نظریہ ضرورت کے تحت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن بیٹھیں عوام کی منتخب اسمبلی کو توڑ دیں اور ملک میں مارشل لاء کے ذریعے پھر انتخابات کا ڈھونگ رچائیں اور یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے۔ ملک کے آئین میں فوج کا کردار متعین کرنے کے سوال پر جنرل ضیاء الحق بڑی سنجیدگی سے رات دن مصروف ہیں۔ جماعت اسلامی نے تو اجازت دے دی ہے کہ جنرل صاحب یہ ترمیم کر لیں۔ دوسرے لیڈروں میں اپنے دوست خان اعظم خان عبدالقیوم خان عرف ڈبل بیرل خان تو اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ سبحان اللہ کہنے کو جی چاہتا ہے' ارشاد فرماتے ہیں کہ صدارتی نظام پاکستان کے لئے بہتر ہے آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر صدر جنرل محمد ضیاء الحق اپنی سیاسی جماعت بنا لیں تو ہم ان سے بھرپور تعاون کریں گے' دراصل خان اعظم خان عبدالقیوم خان اپنی پرانی عادت کے مطابق تقریباً مدغم کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اس سلسلے میں حوالہ کے لئے پاکستان پیپلز پارٹی میں ان کی پارٹی کی شمولیت اور پھر واپسی۔ اور اس سے پہلے مسلم لیگ میں اپنی جماعت بلکہ دھڑے کی شمولیت اور اب پھر واپسی جب خان صاحب کا مطلب نکل جاتا ہے تو وہ مڑ کر بھی نہیں دیکھتے کہ ماضی قریب میں ان کا اپنا ذاتی کردار کیا رہا ہے جس پارلیمانی نظام کی خصوصیات بیان کرتے وقت وہ رطب اللسان رہتے تھے اب اسی کی مخالفت پر اترے ہوتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں پینترا بدلنا' اور خوبصورتی سے بدلنا۔

تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل ایم اصغر خان نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی خواہش پر اُن سے ملاقات کے بعد اخبار نویسوں سے جو بات چیت کی وہ تو آپ نے اخبارات میں پڑھ لی ہو گی۔ البتہ ایک بات جو سب اخبارات نے نہیں چھاپی یہ ہے کہ اخبار نویسوں نے ایئر مارشل سے پوچھا۔ آپ نے صدر کے موقف میں تبدیلی محسوس کی' ایئر مارشل نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا۔ جی ہاں اُن کے جسمانی وزن میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا ہم جب چاہیں گے غیر منتخب وزراء کو حکومت سے علیحدہ کرا دیں گے ہمیں اس کا طریقہ آتا ہے ایئر مارشل کے رویہ میں خود ساختہ لیڈر اپوزیشن کی بھرپور خود اعتمادی تھی۔ انہوں نے بتایا صدر جنرل ضیاء الحق نے آئین میں کسی مجوزہ ترمیم کے بارے میں ان کی رائے لی ہے ایئر مارشل نے آئینی ترمیم کے بارے میں نہیں بتایا ہم بتاتے ہیں۔ صدر صاحب دو طرح کی ترمیم آئین میں چاہتے ہیں ایک صدر کو مزید اختیارات کے بارے میں اور دوسرے صدر کے کچھ اختیارات کم کرنے کے بارے میں۔ صدر کو زیادہ سے زیادہ اختیارات، صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق آئین میں یہ ترمیم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ چیف آف دی آرمی اسٹاف کے کہنے پر قومی اسمبلی کو توڑ سکے اور منتخب حکومت کو برطرف کر کے اقتدار چیف آف دی آرمی اسٹاف کے حوالے کر دے۔ صدر کے اختیارات کم کرنے کی ترمیم وہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ صدر کو سپریم کورٹ سے کسی مجرم کو سزائے موت پر نظر ثانی کا اختیار نہیں ہونا چاہیئے۔ صدر ضیاء الحق کی یہ خواہش ان کی اس دلی ہوئی خواہش کا نتیجہ ہے جو وہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت دینے کی صورت میں اپنے دل میں رکھتے ہیں اور اس سزائے موت پر انہیں نظر ثانی کرنے کا آئینی حق نہ ہوتا کہ وہ سعودی شاہ خالد سے کہہ سکیں کہ میرے پاس اختیار تھا ہی نہیں کہ میں سزائے موت میں تخفیف کر سکتا۔ صدر ضیاء الحق اس سلسلے میں اس قدر سنجیدہ ہیں کہ یہ اختیار صرف چند ہفتے کے لئے بھی ختم کئے جانے کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں۔ تاکہ اس زمانے میں وہ بھٹو کو سزائے موت دینے کے اس فیصلے پر فوری عمل کر دیں جو اگر سپریم کورٹ نے اپیل مسترد کر کے برقرار رکھی مگر بقول شاعر

اے لبا آرزو خاک شدہ

تمام سیاسی جماعتوں نے اس قسم کی کسی ترمیم کرنے اور صدر کے اختیارات میں یہ کمی کرنے کی تجویز قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور صدر سے کہا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو خود یک طرفہ طور پر یہ ترمیم کر لیں۔ اور انہیں اس "ظلم" میں شامل نہ کریں۔

بقیہ: پرانی سیاست گری

نے کی تھی جس میں اس نے ملک کی سالمیت کے نام پر مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کی تھی۔ اس وقت یہ کارروائی جماعت اسلامی کی حمایت سے کی گئی تھی اس کا نتیجہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں نکلا۔ اب وہی غلطی ایک دوسرے انداز میں جماعت اسلامی اور امریکی سامراج کی شہ پر دہرائی جائے گی اگر حکومت نے افغانستان سے آنے والے عناصر کو اس کی اجازت دی کہ وہ پاکستان کی سرزمین کو افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف استعمال کریں۔ ماضی سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیئے اور ایسی کوئی غلطی نہیں کرنی چاہیئے جس سے ملک کا اتحاد اور سلامتی خطرے میں پڑ جائے۔

اس ضمن میں ہمیں مشرق وسطے میں امریکی اسرائیلی منصوبے کو ذہن میں رکھنا چاہیئے جس کا مقصد اسرائیل اور مصر میں نام نہاد صلح نامہ کرا کر اس علاقے میں سامراج کے سیاسی، فوجی اور اقتصادی مفادات کا تحفظ ہے۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت خوش آئند ہے کہ صدر کارٹر کی نام نہاد مساعی امن کی تمام عرب ممالک نے شدت سے مخالفت کی ہے اور ان میں اب اردن کے شاہ حسین اور سعودی عرب کے شاہ خالد بھی شامل ہو گئے ہیں۔ پاکستان کو کھل کر اس سامراجی سازش کی مخالفت کرنی چاہیئے اور اس سلسلے میں عرب ممالک مصر کے خلاف جو اقتصادی اور سیاسی پابندیاں لگائیں پاکستان کو ان کی تائید کرنی چاہیئے۔

بہر حال مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سینٹو سے علیحدگی ایک ایسا مستحسن اقدام ہے جو آج سے سالوں پہلے کیا جانا چاہیئے تھا۔ پاکستان کے لئے اس کی افادیت صرف اسی صورت میں ظاہر ہو گی جب اس کے منطقی نتائج کی تکمیل کی جائے بصورت دیگر یہ کہا جائے گا کہ پاکستان نے سینٹو کو نہیں چھوڑا سینٹو خود اسے داغ مفارقت دے گیا۔

غزل

احمد وحید اختر
ڈسٹرکٹ جیل — اٹک

مفتیٔ شہر کا مسلک ہے وہی
اس کے فتووں میں کہاں بات نئی

عصر کے کرب و بلا میں کب سے
تنِ تنہا ہوں حسینؓ ابن علیؓ

کوئی زنداں کے مکینوں سے کہو
صبح ہے آنے کو اب رات ڈھلی

شہر کے لوگ ہیں بے مہر بہت
ان کی یاری سے تو تنہائی بھلی

حق پرستوں کی روایت ہے عجیب
دار تک پہنچی ہے جب بات چلی

ایک منصور کے صدقے میں یہاں
ہے انا الحق کی صدا گونج رہی

صبحِ سے شور ہے زنداں میں وحیدؔ
کوئی دیوار گری یا کوئی دیوار ہلی

آج بھلا کیوں آئے ہو

پنچھی تو اڑتے ہیں اڑتے رہنا ان کی ریت
گھائل نہ کر جہل سے اپنے
تلواروں کو اپنی عجائب گھروں میں رکھ دو
رنگ تو رنگ ہیں زہر بجھے یا ہنستے گاتے
بارودی دھوئیں کا کھیل نہ کھیلو ان سے
آنے والی برکھا خون نہ برسا جائے کہیں
گئے دنوں کی خاک اڑانے آج بھلا کیوں آئے ہو
اندھیاروں سے بھرے گھروں میں
ابھی تو جینا سیکھ رہے ہیں لوگ
لے جاؤ تم اپنے وہ جادو منتر
جو پتھر کو مورت کا بھی روپ نہ دیں
ہر مورت کو پتھر تو کر دیتے ہیں

انوپا

دُنیا کے مشہور
مصنّفین کی بہترین کہانیاں

حیرت انگیز ✿ پُراسرار ✿ خوفناک

جُرم و سزا ✿ سُراغ رسانی ✿ مہم جُوئی

شکاریات ✿ طنز و مزاح

ناقابلِ فراموش ناولوں کی تلخیص

نفسیاتی اور جنسی الجھنوں پر سائنسی اور ماہرانہ مشورے

برِصغیر کے نامور ادیبوں کی کہانیوں کا انتخاب

ڈائجسٹ سائز پر سب سے الگ ماہنامہ

خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ

؟

عنقریب شائع ہو رہا ہے

ماروی مطبوعات ○ کراچی ۲۹